جلد ۷۳

مئی ۱۹۷۰

عدد

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

۵ - الف ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۷۳	مئی ۱۹۷۰ء مطابق صفر المظفر ۱۳۹۰ھ	عدد ۲

--- مغربی پاکستان --- ———————— --- مشرقی پاکستان ---

چندہ سالانہ : سات روپے | ماہنامہ ترجمان القرآن | (بذریعہ ہوائی ڈاک)

فی پرچہ : ۷۵ پیسے | ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ - لاہور | سالانہ ۰۰-۰۵ فی پرچہ ۵۰ پیسے

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

ترجمان القرآن کے گذشتہ شمارے میں ہم نے بتایا تھا کہ اشتراکیت کی پوری عمارت انکار خدا پر اٹھائی گئی ہے۔ اور کفر و الحاد اس کے پورے نظام میں رُوح کی طرح جاری و ساری ہے۔ اس نظام کا مقصد ہی مذہب اور مذہبی اقدار کا استیصال ہے۔ البتہ اس نے ایک عیار اور چالاک طالع آزما کی طرح اپنے آپ کو آگے بڑھانے کی خاطر معاشی مساوات کا نعرہ بلند کر رکھا ہے۔ ہماری ان گذارشات پر جہیں ایک صاحب نے بڑا طویل خط لکھا ہے جس میں انہوں نے اصرار کیا ہے کہ الحاد اشتراکیت کا کوئی لازمی عنصر نہیں بلکہ اسے دینی اقدار کے ساتھ بھی اپنایا جاسکتا ہے۔ خط کا انداز بڑا جذباتی ہے لو اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب نگار کو ایک طرف اسلام سے بھی محبت ہے مگر دوسری طرف انہیں یہ غلط فہمی بھی لاحق ہے کہ غریبوں کے دکھوں کا درماں اسلام میں نہیں ہے اور اس کیلئے اشتراکیت ہی ایک مجرب نسخہ ہے۔ اسلام اور اشتراکیت کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم عنان کرنے کے سلسلے میں وہ جس قسم کے فریب اور منطقی مغالطے میں مبتلا ہیں اس میں چونکہ دوسرے بہت سے سادہ لوح افراد بھی مبتلا نظر آتے ہیں اس لیے ہم الحاد کے بعد اشتراکیت کے دوسرے بنیادی اصول یعنی جبر و تشدد پر بحث کرنے سے پیشتر اس مغالطے کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔

کسی نظریے یا طرز عمل کی صحت کو جانچنے کے لیے علاوہ اور بہت سے اصولوں کے ایک اصول نتائجیت (PRAGMATISM) بھی ہے۔ اس اصول کے مطابق کسی تحریک یا نظریہ حیات کی قدر و قیمت کو اس نتیجے سے جانچا جاتا ہے جو اس نظریہ کے فروغ پانے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اشتراکیت کے اندر مذہبی اقدار کی کس قدر گنجائش ہے اس کا اندازہ اُس مذہب کُش طرز عمل سے بتایا جا سکتا ہے جو اشتراکیت نے اوّل روز سے اختیار کر رکھا ہے۔ جس ملک میں بھی اشتراکیت

نے سر اٹھایا وہاں اس نے سب سے پہلے مذہب کو مٹانے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کسی معاشرے میں مذہبی اقدار کا یکسر خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک اشتراکیت کا قیام ممکن نہیں ہوتا۔ آپ دُور نہ جائیے، صرف اپنے ملک کے حالات پر نگاہ ڈالئے تو آپ پر اشتراکیت کی اسلام دوستی خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔ اس ملک میں کھُلم کھُلا خالص اشتراکیت کا پرچار کرنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ جو لوگ بھی یہاں اس نظام کو نافذ کرنے کے دعویدار ہیں وہ کسی نہ کسی صورت میں اس کے ساتھ اسلام کا لفظ ضرور لگاتے ہیں۔ کوئی اسے "اسلامی سوشلزم" کا نام دیتا ہے، کوئی اسے "اسلامی مساوات" کے دلفریب نعرے کے ساتھ عوام کے سامنے لاتا ہے، کوئی قرآنی نظام ربوبیت کی من گھڑت اصطلاح سے مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی اسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی پیروی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ان لوگوں کے ان مقدس دعووں کو ایک طرف رکھئے اور پھر ذرا اس امر کا جائزہ لیجئے کہ ان کی جدوجہد کے نتیجے میں یہاں عملاً اسلام اور اسلامی اقدار کو کس حد تک تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ چلئے ہم اب ایک منٹ کے لیے یہ مان لیتے ہیں کہ اسلامی سوشلزم صرف معاشی مسئلے کی حد تک سوشلزم کا پروگرام قبول کرتا ہے، اور اس کے ساتھ سوشلزم کے کسی دوسرے فلسفے کو قبول نہیں کرتا۔ یہ بات اگر صحیح ہے تو پھر اسلام کی باقی اقدار، مثلاً اخلاقی اور معاشرتی اقدار، عفت، پاک دامنی، قناعت، امن پسندی، جھوٹ اور مکر و فریب سے نفرت، خدا خوفی، آخرت کی جوابدہی کا احساس، ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے محبت، اور ان کے ادا کرنے کا ذوق، اللہ اور اس کے رسول سے عقیدت اور اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان کے صحیح اور برحق ہونے کا غیر متزلزل یقین اور ان کے مقابلے میں لادینی تصورات اور اخلاقی اور معاشرتی معیار کا ابطال، انہیں تو بہر حال اسلامی سوشلزم کے بڑھنے کے ساتھ فروغ حاصل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ چیزیں اسلام میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں اور ان کے بغیر کسی اسلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم تو خیر اسلامی سوشلزم کے نعرے کو محض مکر و فریب سمجھتے ہیں اور ان دونوں کے اجتماع کو اسی طرح کا اجتماع نقیضین خیال کرتے ہیں جس طرح کہ اسلامی کفر یا اسلامی بت پرستی ہے۔ لیکن جو لوگ اپنی سادگی سے اس طلسم فریب میں گرفتار ہیں کہ اسلامی سوشلزم اسلام کا نظام عدل ہی ہے، انہیں ہم اس تحریک کے مزاج، اس کے کارکنوں کے مزاج اور ان کی اسلام

سے محبت، عقیدت اور اسلامی تعلیمات سے ان کی وابستگی کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کی زندگیوں اور ان کے اعمال و اقوال اور نوجوانوں پر ان کی تحریک کے اثرات کو دیکھ کر وہ خود فیصلہ کریں کہ کیا اس تحریک کی منزلِ مقصود اسلام ہے یا الحاد اور اباحیت؟

عوام کو دھوکا دینے کے لیے محض اسلام کا نام استعمال کرنے سے تو کوئی تحریک اسلامی نہیں بن سکتی۔ اس کے لیے تو اسلام کی تعلیمات پر گہرا ایمان اور اس امر پر پختہ یقین درکار ہے کہ دینِ حق ہی انسانیت کی دنیوی فلاح اور آخرت کی کامرانی کا واحد راستہ ہے۔ پھر اس راستے پر عملی طور پر گامزن ہونے اور دنیا کو اس پر گامزن کرنے کے لیے سعی و جہد ہی سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی ایک اسلامی تحریک ہے۔ اب جو تحریک غیر اسلامی نظریات کی علمبردار ہو، جس کے کارکن اپنی نجی محفلوں میں کھلے طور پر اور پبلک میں الفاظ کے معمولی ہیر پھیر کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا استخفاف اور ان کے مقابلے میں اشتراکی تعلیمات کی برتری ثابت کرتے ہوں اور جن کی زبان درازی سے اللہ اور اس کے رسول کی ذات بھی محفوظ نہ ہو، اس تحریک کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ کسی اعتبار سے بھی اسلامی انقلاب پر منتج ہوگی، پرلے درجے کی حماقت اور بیوقوفی ہے۔ آپ اسلامی سوشلزم کے ان علمبرداروں کی تقریریں سنیے اور ان کی تحریریں پڑھیے اور ان کی زندگیوں کا جائزہ لیجیے۔ ان میں اسلام سے وابستگی کے بجائے اسلام سے بغاوت کی جھلک نظر آئے گی۔ یہ تحریک درحقیقت مغرب کی خالص مادہ پرستانہ اور ملحدانہ تحریک ہے جو اسلام کی عین ضد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بھی اس سے وابستہ ہوتے ہیں ان کے فکر و عمل میں دینِ حق سے بغاوت کا عام رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ معاشی مساوات کے علمبرداروں کی اپنی زندگیاں اس مساوات سے یکسر عاری ہیں۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے عوام کو دھوکا دینے والوں کے شب و روز میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ انہیں اس مقدس صحابیِ رسول کی ذات سے کوئی ادنیٰ سی نسبت بھی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی زندگی محبتِ الٰہی کا نمونہ تھی اور اس محبت میں ان کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ تصوف کی زبان میں ان کی زندگی اثباتِ حق تعالیٰ کے لیے مقام لاالٰہ کی عملی تعبیر تھی۔ مگر یہ دیکھیے کہ جس لا کی آڑ میں

آج یہاں قومی ملکیت کا فلسفہ پیش کیا جا رہا ہے کیا اس کا محرک فی الحقیقت ذاتِ حق تعالیٰ کا اثبات ہی ہے یا حکومت کی کبریائی کا اثبات؟ اگر یہ اثباتِ حق ہی کے لیے ہوتا تو اس تحریک کا مزاج کبھی لادینی نہ ہوتا اور نہ اس کے پروان چڑھنے سے اسلامی اقدار پامال ہوتیں۔ مگر ہم میں سے ہر شخص یہ دیکھ رہا ہے کہ اس تحریک کے زور پکڑنے کے ساتھ ملک میں نہ صرف الحاد اور اخلاقی بے قیدی کا طوفان اُٹھ رہا ہے بلکہ بے دین افراد اس قدر جری اور بے باک ہوتے جا رہے ہیں کہ اب وہ علانیہ اسلامی تعلیمات کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ جو شخص تھوڑی سی بصیرت بھی رکھتا ہے خود اپنی آنکھوں سے الحاد اور بہیمیت اور بے دینی کے اُن المناک مناظر کو بآسانی دیکھ سکتا ہے جو اسلامی سوشلزم کے بطن سے نمودار ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے کسی زیادہ تحقیق و تجسس کی ضرورت نہیں۔

الحاد کے ساتھ اشتراکی تحریک کا دوسرا اہم اصول تشدد ہے۔ الحاد اگر اس تحریک کا اعتقادی فلسفہ ہے تو تشدد اس کے عملی پروگرام کو کامیاب کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تحریک کا مزاج اور پروگرام چونکہ غیر فطری اور غیر عقلی ہے اس لیے تلقین و ترغیب کے ذریعے عوام کو اس کا حلقہ بگوش نہیں بنایا جا سکتا بلکہ اسے سازش اور جبر و تشدد ہی کے ذریعے اُن کے منشا اور مرضی کے علی الرغم اُن پر ٹھونسا جاتا ہے۔ جو تحریکات بھی انسانی فطرت سے مطابقت رکھتی ہیں وہ سب سے پہلے انسان کے اندر جو انسان ضمیر و وجدان اور عقلِ سلیم کی صورت میں موجود ہے اسے اپیل کرتی ہیں کیونکہ انسان کی فطرت کا حقیقی جوہر وہیں موجود ہوتا ہے۔ اور جب یہ اندر کا انسان ان کی صحت اور افادیت کا پوری طرح قائل ہو جاتا ہے تو پھر باہر کا انسان بھی سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے اور اپنے ہم خیالوں کے ساتھ اُسے لے کر آگے بڑھتا ہے۔ اس راہ میں اگر بعض ایسے عوامل حائل ہو جائیں جنہیں قوت کے بغیر راستے سے ہٹانا بالکل ممکن نہ ہو تو پھر قوت کو ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر اور وہ بھی ناگزیر حد تک استعمال میں لایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان انسانی تحریکات کے فروغ پانے سے دنیا میں صحت مند اقدارِ حیات ترقی پاتی ہیں۔ انسان خارجی جکڑ بندیوں کے بغیر اپنے آپ کو نظم و ضبط کا پابند بنا لیتے ہیں اور دوسرے انسانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پالنے کے بجائے محبت اور اخوت کے جذبات کی آبیاری کرتے ہیں۔

اشتراکیت چونکہ انسانی فطرت سے بغاوت کی تحریک ہے اس لیے جبر و تشدد اور سازش ہی اس

کے سب سے موثر ہتھیار ہیں۔ اس کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے چند جذباتی نعروں کے ذریعے فضا میں شدید ہیجان اور اضطراب پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اس اضطراب کے اندر اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ وسیع پیمانے پر جھوٹ بول کر اور ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لے کر ملک کے سنجیدہ اور دانشور طبقے کو، جو اس تحریک کی تباہ کاریوں اور ہلاکت خیزیوں سے واقف ہو، سخت بدنام کیا جائے تاکہ عوام اپنے حقیقی خیر خواہوں کی کسی بات پر کان نہ دھریں۔ پھر ہیجان و اضطراب کی اس تاریک فضا اور مخالفین پر الزام تراشیوں کی اس بوچھاڑ کے اندر تحریک کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ ذہن نشین رہے کہ یہ تحریک صرف ایک راستے سے آگے نہیں بڑھتی بلکہ مختلف چور دروازوں سے اسے عوام کے اندر گھسنے اور راہ پانے کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ یہ دروازے یوں تو کئی ایک ہیں لیکن یہاں ہم چند دروازوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

پہلا دروازہ نوکر شاہی کا دروازہ کہا جا سکتا ہے۔ نیم ترقی یافتہ ممالک کے اندر چونکہ انتظامیہ کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہوتے ہیں اس لیے اس کے ارکان کی اکثریت اخلاقی بگاڑ میں مبتلا پائی جاتی ہے۔ اشتراکی طبقے بڑی عیاری کے ساتھ ان کے اسی بگاڑ کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ [illegible] زنا، قمار بازی، بے حیائی اور رقص و سرود (ثقافت) کے ذریعے سے ان میں نفوذ کرتے ہیں، اور دوسری رشوتوں کے ذرائع سے بھی کام لیتے ہیں۔ اس کا انہیں دوہرا فائدہ پہنچتا ہے۔ حکمران طبقے کی دوستی اور رفاقت کی وجہ سے انہیں بہت سی مادی منفعتیں حاصل ہوتی ہیں اور اس طبقے کی معاونت اور دستگیری انہیں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں اور خصوصاً نشر و اشاعت کے اداروں میں راہ پانے کے مواقع بہم پہنچاتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان اشتراکیوں کی شہ پا کر انتظامیہ کے افراد اس قدر جری اور بے لگام ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر قسم کی ظالمانہ کارروائیاں کر گزرتے ہیں۔ اس سے عوام کے اندر بے چینی پیدا ہوتی ہے اور اس کا فائدہ بھی پھر اشتراکیوں کو پہنچتا ہے۔

دوسرا دروازہ وہ ہے جہاں سے اشتراکی نوخیز نسلوں پر شب خون مارتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف تعلیمی اداروں میں نفوذ کر کے طلبا اور طالبات کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں، مگر وہاں بھی یہ اپنے افکار کی

نشر و اشاعت سے کہیں زیادہ ان کے اخلاق بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان تعلیمی اداروں کے اندر غیر نصابی سرگرمیوں کے لیے جو مختلف انجمنیں قائم ہوتی ہیں ان پر یہ لوگ قبضہ جما لیتے ہیں اور پھر ان انجمنوں کو اپنی سرگرمیوں کے اڈے بنا لیا جاتا ہے۔ طلبا اور طالبات کے مخلوط اجتماعات، ثقافت اور آرٹ کے نام پر ڈرامے اور موسیقی کی محفلوں کا انعقاد، ادبی شعور کی تربیت کی آڑ میں اسلامی تعلیمات خصوصاً اس کے نظامِ اخلاق سے انحراف کی حوصلہ افزائی، یہ ان اشتراکیوں کی "خدمات" کے نمایاں گوشے ہیں۔ ان کی بدولت نوجوانوں میں شراب نوشی، بدکرداری اور غنڈہ گردی کی جو وبا پھیل رہی ہے اسے آج ہر آنکھوں والا ہمارے اپنے ملک میں دیکھ رہا ہے۔

تیسرا چور دروازہ مزدور تنظیموں کا ہے۔ بندہ مزدور کے اوقات کو چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے مظالم نے نہایت تلخ بنا رکھا ہے اور محنت کشوں کے دل میں اس انسانیت کش نظام کے خلاف شدید نفرت ہے اس لیے یہ اشتراکی مزدور طبقے کو اپنی بہترین شکارگاہ سمجھتے ہیں اور دل کھول کر اسے شکار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں مزدوروں کی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ وہ اس کے مسائل حل نہیں کرتے بلکہ ان مسائل کو زیادہ سے زیادہ الجھانے اور طبقاتی جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی بہانے مزدوروں کے جذبات کو ہر وقت برانگیختہ رکھا جائے اور ان کے نفرت و حقارت کے احساسات کو تشدد کی طرف موڑا جائے اور یہ بات ان کے ذہن نشین کر دی جائے کہ قتل و غارت، لوٹ مار، جلاؤ اور گھیراؤ کے سوا ان کے مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔

چوتھا دروازہ جس سے داخل ہو کر یہ لوگ مذہبی طبقوں میں سرایت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ علما اور مشائخ کی گروہ بندیاں ہیں۔ مذہب کے فروعی مسائل میں اختلافات تو دو ہی صورتوں میں ختم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سارے علما رعقل و فکر سے یکسر عاری ہو جائیں یا پھر ہر عالم دین اللہ تعالیٰ کے منشا کو براہ راست اُس سے اخذ کر سکے۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی ممکن نہیں ہے۔ دین کے جن معاملات میں قرآن و سُنّت دونوں خاموش ہیں یا جن میں تعبیر کے اختلاف کی گنجائش ہو سکتی

ہے یا جن میں ترجیحات کے مختلف پہلو نکل سکتے ہیں ان میں اختلاف ہونا ایک فطری امر ہے۔ پھر یہ بھی قریب قریب ناممکن ہے کہ تمام علمائے دین ان فطری اختلافات کو حد اعتدال میں بھی رکھیں۔ اس وجہ سے علماء کے اندر تلخیاں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ان اختلافات تلخیوں اور رنجشوں سے اشتراکی بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اختلافات کی آڑ میں یہ عوام کو اسلامی نظام سے بدظن کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں یہ باطل خیال راسخ کرتے ہیں کہ جس نظام پر علماء متفق اور متحد ہی نہیں ہو سکتے اسے یہاں کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے۔ علماء کے مابین تلخیوں اور رنجشوں کو ہوا دے کر انہیں ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنا دیا جاتا ہے اور اس دشمنی میں وہ اس حد تک آگے نکل جاتے ہیں کہ سرخ فوج کے ساتھ شامل ہو کر اسلامی محاذ پر مسلسل یلغار کرتے ہیں اور اپنی قوتیں کفر و الحاد کو شکست دینے کے بجائے کفر و الحاد کی حمایت میں صرف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چڑ اور ضد کی وجہ سے ان کی عقل بالکل سلب ہو جاتی ہے۔ وہ یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ اُن کی صلاحیتیں کن ناپاک مقاصد میں استعمال ہو رہی ہیں نہیں ہیں اور وہ خود اپنے حق میں کیا کانٹے بو رہے ہیں۔

پانچواں چور دروازہ سیاست ہے۔ اس میدان میں بھی ان اشتراکیوں کا طرز عمل بڑا غیر عقلی ہوتا ہے۔ ان کی ساری توجہ صرف اس بات پر مبذول رہتی ہے کہ ملک کا کوئی مسئلہ سنجیدگی و معقولیت اور رضائے عامہ سے حل نہ ہونے پائے بلکہ معمولی معمولی مسائل کو بھی مصائب کے پہاڑ کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتے تاکہ عوام کے اندر اپنے مستقبل کے بارے میں شدید مایوسی پیدا ہو اور انہیں اپنے مسائل کے حل کے لیے جلاؤ اور گھیراؤ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آئے۔

زندگی کے مختلف شعبوں میں ان اشتراکی سرگرمیوں کا اگر جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا انداز سراسر غیر عقلی، تخریب پسندانہ، متشددانہ اور سازشی ہے۔ یہی وہ حربے ہیں جنہیں اختیار کر کے اشتراکیت کسی ملک پر مسلط ہوتی ہے اور پھر انہی کی مدد سے اپنا تسلط قائم رکھتی ہے۔

مارکس کے خیال کے مطابق اشتراکی انقلاب سب سے پہلے انگلستان، جرمنی اور فرانس جیسے صنعتی ممالک میں آنا چاہیے تھا کیونکہ ان کے اندر طبقاتی کشمکش سب سے زیادہ شدید تھی مگر اس

"سائنٹیفک نظریے" کے بالکل برعکس یہ انقلاب سب سے پہلے روس جیسے زرعی ملک میں برپا ہوا۔ یہ انقلاب کس قسم کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور ظلم و استبداد کے ذریعہ آیا ان کا یہاں مختصر سا نقشہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ عوام اس انقلاب کی ٹکنیک سے واقف ہوں اور چوکس ہو کر ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

اس بات سے تو ہر شخص واقف ہے کہ روس میں زار کے جبر و تشدد کے خلاف جب عوام کے اندر ایک شدید ردِ عمل پیدا ہوا تو اُس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس تحریک کی نوعیت قریب قریب اسی طرح کی تھی جیسی ایوب خاں کے خلاف متحدہ جمہوری محاذ کی تھی۔ اس میں مختلف طرز خیال کے وہ سارے لوگ شامل تھے جن کے دل میں زار کے استبداد کے خلاف آگ سلگ رہی تھی۔ بالشوک اس تحریک کا ایک نہایت ہی مختصر حصہ تھے۔ یہ تحریک کامیابی کے مرحلے پر تھی کہ پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا جس نے روس کو براہ راست اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ روس کا محاذ چونکہ بڑا لمبا تھا اس لیے جرمنی اس بات کے لیے کوشاں تھا کہ کسی طرح روس کو داخلی طور پر کمزور کر دے۔ اس مقصد کے لیے جرمن ایجنٹوں کے ذریعہ اس نے روس میں ہڑتالیں کرانی شروع کیں۔ اور لینن سے ساز باز کر کے اس کے ذریعے اس بات کا پورا پورا انتظام کیا کہ روس اپنے دفاع کے بھی قابل نہ رہے۔ جرمنی نے روس کو داخلی طور پر جس خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا اور لینن کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جو اندوہناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی اس کے نتائج سامنے آنے لگے۔ روسی فوجیں شکست پر شکست کھانے لگیں اور ملک کے اندر وسیع پیمانے پر مایوسی پھیل گئی۔ عوام کی توجہ ان لوگوں کی طرف پوری طرح مبذول نہ ہوئی جو جرمنی سے سازش کر کے روس کو شکست دلوا رہا تھا۔ وہ زار کو ہی اس ساری تباہی و بربادی کا سبب سمجھتے رہے، چنانچہ وہ تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو گیا۔

جب حکومت عوام کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی تو لوگوں کے دلوں میں ملک کے دفاع کا ولولہ پیدا ہوا اور جرمنی کی توقعات کے بالکل برعکس انھوں نے نئے جوش کے ساتھ اپنے ملک کی حفاظت و پاسبانی کا کام شروع کیا۔ جرمنی کے لیے اب سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ وہ کسی طرح لینن کو ملک کے اندر داخل کر کے اس قدر رسا حب اختیار بنا دے کہ جرمنی کی شرائط کے مطابق روس جنگ

بند کرنے پر مجبور ہو جائے۔ چنانچہ لینن اور اس کے معتمد ساتھیوں کو اس کی بیوی اور داشتہ کے ساتھ ایک بند گاڑی میں زیورچ سے روانہ کیا گیا۔ جب یہ گاڑی پیٹروگراڈ (موجودہ لینن گراڈ) پہنچی تو لینن کے استقبال کے وسیع انتظامات کے باوجود بہت سے لوگوں نے اس کے خلاف نفرت کا اظہار کیا۔ شہریوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اس شخص کو جرمنی نے ایک خاص مقصد کے تحت بھیجا ہے تو ان کے دل میں اس کے خلاف شدید حقارت پیدا ہوئی۔ مگر یہ اپنے کام میں منہمک رہا۔

زار کی معزولی کے بعد عارضی حکومت نے غلطی یہ کی کہ اس نے لینن کے خلاف اس جذباتی فضا سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جو اس وقت پیدا ہو چکی تھی۔ وہ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ اس شخص اور اس کے چند حامیوں کے خلاف جب عوام کی عظیم اکثریت نفرت و حقارت کے جذبات رکھتی ہے تو آخر ملکی معاملات میں یہ کس طرح ایک طاقت بن سکتا ہے۔ لیکن یہ محض اس کی غلط فہمی تھی۔ لینن اور اس کے ساتھیوں نے اپنی تخریب پسندانہ سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ انہوں نے فوج میں سے ان لوگوں کو تلاش کیا جو جنگ سے اکتا گئے تھے اور انہیں یہ کہہ کر اپنے ساتھ ملایا کہ آخر اس کشت و خون کا کیا فائدہ؟ کیوں نہ جنگ بند کر کے امن و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے اور اپنی قوتیں ملک کی تعمیر میں صرف کی جائیں؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ سے تنگ آئے ہوئے سپاہی اس بات کے قائل ہو گئے کہ جرمنی کے ساتھ ہر قیمت پر صلح ہو جانی چاہیئے۔

دوسری طرف لینن کے آدمی گاؤں گاؤں اور شہر شہر کسانوں اور مزدوروں کو اس بات پر اکسا رہے تھے کہ وہ آئین ساز اسمبلی کے فیصلے کا انتظار کیے بغیر زمینوں پر قبضہ کر لیں۔ غریب کسان ان لوگوں کے پھیروں میں آ گئے اور انہوں نے عارضی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ مگر چونکہ عوام اور بری و بحری افواج کی اکثریت عارضی حکومت کی پشت پر تھی اس وجہ سے بغاوت ناکام ہو گئی۔ لینن تو فن لینڈ بھاگ گیا مگر اس کے ساتھیوں نے زیر زمین سرگرمیاں جاری رکھیں اور معاشرے کے مختلف طبقات کو خوش کن نعروں اور دلفریب وعدوں کے ذریعے اپنے دام میں پھنساتے رہے اور بالآخر ۲۴ راکتوبر ۱۹۱۷ء کو عین اس وقت جب عبوری حکومت نے دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کا اعلان کیا تھا ایک سازش کے ذریعے اشتراکیوں نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

لینن جس ناپاک ذریعہ سے حکومت پر قابض ہوا تھا اس کا اسے شدید احساس تھا اور اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ عوام نے اس کی اس حرکت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ پھر اسے یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ کہیں دنیا میں اس کے متعلق یہ تاثر قائم نہ ہو جائے کہ وہ عوامی تائید سے یکسر محروم ہے۔ ان تمام مشکلات کا تدارک اس کے پاس یہی تھا کہ وہ یہ اعلان کر دے کہ انتخابات وقت پر ہوں گے۔ دھونس اور دھاندلی کی فضا میں انتخابات منعقد کیے گئے۔ مگر نتیجہ لینن کی توقعات کے بالکل برعکس نکلا۔ لینن اس صورت حال سے سخت برافروختہ ہوا۔ اور اس نے خود اپنے زیرنگرانی منعقد کرائے ہوئے انتخابات کے نتائج کو اپنی توقع سے مختلف پاکر اسمبلی کو بے وزن بنانے اور اپنے ڈھب پر لانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ پورے کا پورا انتخابی کمیشن برخاست کر دیا گیا۔ اس کی جگہ اورٹسکی کو، جو ایک نہایت ظالم قسم کا بولشوک تھا، مقرر کیا گیا اور اس کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ منتخب ہونے والے ارکان کے حالات اور ان کے نظریات اور رجحانات اور اشتراکیت سے ان کی وابستگی کا جائزہ لے۔ لاتعداد افراد کو گھروں میں محبوس کر دیا گیا اور مخالف جماعتوں کے حامی چھوٹے بڑے اخبارات بھی بالکل بند کر دیئے گئے۔ مگر ان ساری متشددانہ کارروائیوں کے باوجود لینن کو اطمینان نہ ہوا۔ وہ اس بات کا متمنی تھا کہ دستور ساز اسمبلی یا تو بالکل اس کے اشارے پر کام کرے یا پھر اسے توڑ دیا جائے۔ اسمبلی کے اندر اپنے حامیوں کو غنڈہ گردی کی تلقین کی گئی اور ہنگامہ آرائی کی باقاعدہ تربیت دی گئی۔ اسمبلی کے باہر سُرخ فوج کے دستے متعین کر کے اسمبلی کے ارکان اور عوام کے اندر سخت خوف وہراس پیدا کیا گیا۔ جو لوگ بھی اسمبلی کے قریب آتے انہیں گولی سے اڑا دیا جاتا۔ لیکن اس دہشت پسندی اور غنڈہ گردی کے باوجود چونکہ اسمبلی کے ارکان کی عظیم اکثریت لینن اور اس کی پارٹی کے خلاف تھی اس لیے اس نے اس امر کی پوری کوشش کی کہ ملک کا دستور جلد از جلد تشکیل دے دیا جائے، اور اس نے بڑی عجلت کے ساتھ دستوری دفعات منظور کرنی شروع کر دیں۔ لینن یہ صورت حال دیکھ کر سخت گھبرایا اور اس نے جب یہ دیکھا کہ کوئی ترغیب و تخویف کارگر ثابت نہیں ہو رہی تو اس نے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہونے والی پہلی اور آخری دستور ساز اسمبلی کو توڑ دینے کا اعلان کر دیا اور اس طرح ایک آمر مطلق کی حیثیت سے ملک کے

سیاہ وسپید کا مالک بن بیٹھا۔

عوام کے خلاف اپنے دل میں غیظ وغضب کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس نے چیکا کے نام سے خفیہ پولیس قائم کی جس نے لوگوں کو اندھادھند گرفتار کر کے انہیں گولی سے اڑانا شروع کیا۔ گرفتاری کے لیے کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں بلکہ بعض مضحکہ خیز باتوں کی آڑ لے کر لوگوں پر مظالم توڑے گئے۔ مثلاً بے شمار افراد کو محض اس جرم کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا کہ وہ تعلیم یافتہ ہونے کی بنا پر بورژوا طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بورژوا ہونے کا معیار بھی بڑا عجیب وغریب تھا۔ اگر کسی شخص کے گھر میں گوشت کی چند بوٹیاں نظر آ گئیں تو وہ بھی بورژوا ہونے کی وجہ سے موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا۔

قتل وغارت کے اس اندوہناک ماحول میں حکومت نے کسانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ جن لوگوں نے بھی اس کام میں ذرا مزاحمت کی ان کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ کاشتکاروں کی بے بسی کا اب یہ عالم ہو رہا تھا کہ وہ اگر اپنے کھیتوں میں اپنی محنت سے اُگاتے ہوئے گیہوں کا ایک دانہ بھی استعمال میں لاتے تو انہیں گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا۔ کسانوں کو حکومت کے مقرر کردہ نہایت ہی ارزاں نرخوں پر شہر کے اندر گندم اور گوشت مہیا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ حشر اُن کسانوں کا ہو رہا تھا جن سے انقلاب سے پہلے یہ خوش کُن وعدے کیے گئے تھے کہ امیر کاشت کاروں کی زمینیں چھین کر تمہیں ان کا مالک بنا دیا جائے گا۔ مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل لینن سے اپنی ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے زراعت کا مسئلہ کس طرح حل کیا؟ تو اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے غریب کسانوں کو امیر کسانوں کے خلاف بھڑکا دیا اور انھوں نے امیر کسانوں کو نزدیک ترین درختوں پر اپنے ہاتھ سے پھانسی دے دی۔ رسل لکھتا ہے کہ لینن نے یہ کہہ کر زور سے قہقہہ لگایا جسے سُن کر میرا خون منجمد ہو گیا اور میں یہ سوچنے لگا کہ یہ ظالم شخص آخر کس طرح انسانیت کا بھی خواہ ہو سکتا ہے۔

کسانوں کے اندر جب یہ عام احساس ابھرنے لگا کہ ان کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے تو ان کے اندر

پہلے تو بغاوت کا جذبہ پیدا ہوا اور انھوں نے حکومت سے ٹکر لی۔ مگر انہیں جلد ہی یہ پتہ چل گیا کہ اس قسم کی ظالم آمرانہ حکومتیں، جن کی گرفت بڑی مضبوط ہو، آسانی سے تبدیل نہیں کی جاسکتیں۔ اس احساس نے ان کے اندر سخت مایوسی کی کیفیت پیدا کر دی۔ انھوں نے کام میں دلچسپی لینا چھوڑ دی اور اس کے نتیجے میں روس کے اندر زبردست قحط رونما ہوگیا۔ اس اثنا میں وہاں امریکہ کا وفد بھی گیا ہوا تھا۔ لینن نے اس وفد کے قائد کو مجبور کیا کہ وہ امریکہ سے روس کے لیے امداد طلب کرے۔ لینن کے ایما پر امریکی حکومت کو جو تار دیا گیا اس میں لکھا تھا کہ روس اس وقت سخت قحط میں مبتلا ہے اور یہ قحط دن بدن تشویش ناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے، نہ صرف یہ کہ لوگوں کے پاس کھانے کے لیے گندم نہیں بلکہ اگلی فصل بونے کے لیے بیج بھی نہیں۔

یہ حالات اتنے سنگین تھے کہ لینن معاشی پالیسی میں نمایاں اور بعض اصولی تبدیلیاں کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اس نئی معاشی پالیسی کو N-E-P کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس پالیسی کے تحت حکومت نے زمین ٹھیکے پر کاشت کروانے یا ملازم رکھ کر کاشت کروانے کی اجازت دے دی۔ یعنی جس معاشی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے لاکھوں انسان لقمۂ اجل بنے، لاکھوں کو مختلف مصائب کا سامنا کرنا پڑا، وہی نظام معمولی سے تغیر و تبدل کے بعد پھر نافذ کرنا پڑا۔ مشہور اشتراکی رہنما ٹراٹسکی نے اپنی کتاب (REVOLUTION BETRAYED) میں بڑی تفصیل کے ساتھ اشتراکیت سے اس پسپائی کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لیے روسی عوام پر ناقابل بیان مظالم ڈھائے گئے وہی سرمایہ داری اپنی ساری ہولناکیوں کے ساتھ اشتراکیت کے علمبرداروں کے ہاتھ وہاں دوبارہ مسلط ہوگئی ہے۔ فرق اگر کچھ پڑا ہے تو یہی کہ پہلے زار لوگوں پر ظلم وستم ڈھاتا تھا اور اب یہ کام زیادہ منظم طریق اور زیادہ وسیع پیمانے پر اور زیادہ جبر و استبداد کے ساتھ اشتراکیت کے علمبردار سرانجام دے رہے ہیں اور اسے ظلم وستم کے بجائے اب انسانیت دوستی کا نام دیا جاتا ہے۔

اشتراکی انقلاب کی یہ مختصر سی داستان ہے جس کا بیشتر حصہ روسی نژاد اشتراکی ڈیوڈ شب (DAVID SHUB) نے مرتب کیا ہے۔ اس کا بغور مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ اس انقلاب میں آخر انسانیت کی خیر اور بھلائی کا وہ کونسا ایسا نمایاں پہلو ہے جس کی خاطر لاکھوں انسانوں

کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ روس نے گزشتہ پچاس سالوں میں معاشی اعتبار سے خاصی ترقی کی ہے۔ اگر معاشی ترقی ہی اس انقلاب کا حاصل ہے تو یہ ترقی تو بہت سے دوسرے ممالک نے آزادی اور جمہوریت کے ماحول میں بھی کی ہے اور وہاں کے مزدوروں اور کسانوں کی حالت روس کے مزدوروں اور کسانوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام مذہب کے خلاف، انسانیت کے خلاف اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے خلاف ایک بڑی گہری سازش ہے جسے بعض لوگ محض اپنے بھولے پن میں معاشی فلاح وبہبود کا ایک موثر طریق کار سمجھ بیٹھے ہیں۔ اگر یہ واقعی انسانی فلاح کا پروگرام ہے تو آخر اسے تشدد اور سازش کے ذریعہ ہی لوگوں پر کیوں مسلط کیا جاتا ہے؟ اس کے لیے جمہوری طریقے کیوں اختیار نہیں کیے جاتے؟ کیا اشتراکی انسانوں کی عظیم اکثریت کے بارے میں یہ فرض کر بیٹھے ہیں کہ محدودے چند اشتراکیوں کو چھوڑ کر وہ خود اپنی دشمن بن گئی ہے، اسے اپنے بھلائی کا کوئی شعور نہیں رہا۔ اگر اس کے سامنے اس کے فائدے کی کوئی بات کی جائے تو وہ لازمی طور پر اس کی مخالفت کرے گی۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تشدد کی بھی کبھی کبھی ضرورت پیش آجاتی ہے لیکن یہ خیال بالکل غلط بلکہ سراسر باطل ہے کہ تشدد اور سازش کے بغیر انسانیت ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتی۔ اشتراکی انقلاب میں تشدد سے کسی ناگزیر ضرورت کے تحت کام نہیں لیا جاتا بلکہ یہ اس کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے منفی و تخریب پسندانہ رجحانات نے اشتراکیت کو جنم دیا ہے، سازشوں نے اسے پروان چڑھایا اور مار دھاڑ اور قتل وغارت کے ذریعہ یہ بے بس انسانوں پر مسلط کی گئی ہے۔ یہ نظام حریت اور آزادی کا کس حد تک دشمن ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور کمیونسٹ میکسم گورکی جو لینن کے سب سے بڑے معتمد ساتھیوں میں سے تھا، جب اس نے دستور ساز اسمبلی توڑنے پر احتجاج کیا تو اس کا اخبار بھی بند کر دیا گیا اور آخر دم تک وہ اسے جاری نہ کر سکا۔ تشدد اور سازش، قتل وغارت کا اس نظام سے کس قدر گہرا تعلق ہے اس کے جائزے کے لیے کسی لمبی چوڑی تحقیق کی ضرورت نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اشتراکیت کے علمبرداروں نے خود اپنے ساتھیوں کا کیا حشر کیا۔ سنہ ۱۹۲۰ سے لیکر سنہ ۱۹۳۰ تک جو لوگ بھی اشتراکی حکومت کے اندر نہایت اونچے مناصب پر فائز رہے اور جو اشتراکیت کے معمار شمار کیے جاتے ہیں ان میں سے بیشتر کو غدار قرار دے کر گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ لینن نے انقلاب

کے بعد ملک کا نظم و نسق چلانے کے لیے جو کابینہ بنائی گئی تھی، سٹالن کے سوا اس کے سارے افراد پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔ یہی حسرت ناک انجام سٹالن کی کابینہ کا بھی ہوا۔

اس نوعیت کی مسلسل متشددانہ کارروائیوں کو کوئی دانشمند شخص بخت و اتفاق پر تو محمول نہیں کر سکتا۔ ان کے انداز کو دیکھنے سے یہ حقیقت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جبر و استبداد اشتراکی نظام کا خاصہ ہے۔ لینن اور روسی انقلاب کے دوسرے لیڈروں نے اس حقیقت کو واضح طور پر تسلیم کیا ہے۔ لینن نے اپنی ایک تقریر میں صاف طور پر کہا ہے۔

"اشتراکیت ایک ایسی غیر محدود طاقت کا نام ہے جس پر کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی، آئین و ضوابط جس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے، جس کا دار و مدار تشدد پر ہے"۔

جبر و تشدد، سازش، قتل و غارت جس نظام کے بنیادی اصول ہوں اس میں شرافت، رحمدلی، انسانیت دوستی جیسی ارفع و اعلیٰ اقدار آخر کس طرح پنپ سکتی ہیں۔ تشدد کا مظاہرہ غنڈہ گردی کے ذریعے ہی اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے کہ جس معاشرے میں بھی اشتراکیت کو فروغ حاصل ہوا ہے اس میں غنڈہ گردی کی وبا بھی بڑے وسیع پیمانے پر پھیلا ہے، بلکہ غنڈوں کی سرپرستی ہی میں اشتراکیت کا قافلہ آگے بڑھا ہے۔ دنیا کے کسی اچھے نظام حیات نے غنڈہ گردی کی تعریف نہیں کی۔ یہ شرف صرف اشتراکیت کو حاصل ہے کہ اس میں غنڈے اور اوباش لوگ بھی تعریف و توصیف کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ لینن کے قول کو دہرا رہے ہیں۔ ذرا اس کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

"انقلاب بہت مشکل معاملہ ہے۔ اسے دستانے پہن کر اور تراشیدہ ناخنوں کے ساتھ برپا نہیں کیا جا سکتا۔ اشتراکی پارٹی لڑکیوں کا کوئی مخصوص کمرہ نہیں۔ اس بنا پر پارٹی کے ارکان کا بورژوا اخلاق کے مطابق محاسبہ درست نہیں ہے۔ کبھی کبھی پارٹی کے لیے ایک غنڈہ صرف اس بنا پر ہی زیادہ مفید اور کارآمد ہوتا ہے کہ وہ غنڈہ ہے"۔

یہ آخری فقرہ بڑا معنی خیز ہے۔ یعنی کسی غنڈے سے کسی شریفانہ فعل کا سرزد ہو جانا اشتراکیوں کے لیے کسی فائدے کی بات نہیں بلکہ اس کی غنڈہ گردی ہی مفید اور کارآمد ہے۔ وکٹر ایک

رسوائے زمانہ بدمعاش تھا۔ اسے لینن نے ۱۹۰۷ء میں لندن پارٹی کانگریس کی مرکزی کمیٹی کا رکن نامزد کردیا۔ اس پر بعض ارکان نے اعتراض کیا تو لینن نے زور کا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

اُسی بنا پر یعنی غنڈہ ہونے کی بنا پر ہی، تو وہ ہمارے لیے مفید ہے کیونکہ وہ کسی مقام پر جاکر رُکے گا تو نہیں۔ تم ہی بتاؤ، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ تم ایک امیر عورت کی کمائی پر داد عیش دینے کے لیے اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے تیار ہوجاؤ؟

لینن صاحب ڈکٹر کے جس فعل کی تعریف کر رہے ہیں وہ اشتراکیت کے علمبرداروں کا باقاعدہ ایک منصوبہ تھا۔ اور یہ تحریک کی عظیم خدمت تصوّر کی جاتی تھی۔ اشتراکی پارٹی اپنے بعض ساتھیوں کو اس بات کے لیے تیار کرتی کہ وہ امیر بوڑھی عورتوں سے ساتھ شادی کا سوانگ رچائیں اور پھر ان کی دولت پر خود بھی عیش کریں اور مختلف جائز اور ناجائز طریقوں سے اُسے پارٹی کی طرف بھی منتقل کرتے رہیں۔ دولت کے حصول کے لیے ہر بُرے سے بُرا کام کرنے پر اشتراکیوں کو ان کے لیڈر مسلسل اکساتے رہتے۔ ۱۹۰۶ء کے پہلے دو مہینوں میں لینن کی سرکردگی میں بنکوں، ریلوے اسٹیشنوں اور گاڑیوں پر دو سو مسلح ڈاکے مارے گئے اور یہی ڈاکو بعد میں اشتراکی پارٹی کے سرگرم رکن بنے۔ سٹالن بھی ڈاکوؤں کے اس گروہ میں دریافت کیا گیا۔ اس نے ۱۹۰۷ء میں تفلیس کے ڈاکے میں نمایاں حصّہ لیا تھا جس میں اُسے تین لاکھ روبل ہاتھ لگے اور چالیس آدمی مارے گئے۔

ڈاکہ زنی کے علاوہ لینن اور اس کے ساتھیوں نے جعلی نوٹ بنانے کا بھی وسیع پیمانے پر کاروبار کیا۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے اشتراکیت کے جس متشددانہ اور سازشی مزاج اور جس قسم کی غیرقانونی اور غیر اخلاقی کارروائیوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی ایک فعل بھی ایسا نہیں جس پر تعجب کا اظہار کیا جاسکے۔ یہ مذموم حرکات اشتراکی انقلاب اور اشتراکی نظام کے مزاج کے عین مطابق ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی حیرت کی موجب نہیں بن سکتی۔ حیرت البتہ اس صورت میں ہوتی اگر اس ملحدانہ اور انسانیت کش تحریک کے آگے بڑھنے سے انسانیت کی اعلیٰ اور ارفع قدریں (باقی صفحہ ۶۱ پر)

تفہیم القرآن

المعارج

(۲)

انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے[۱۳]، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں[۱۴]، جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں[۱۵]، جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے[۱۶]،

---

۱۳ جس بات کو ہم اپنی زبان میں یوں کہتے ہیں کہ "یہ بات انسان کی سرشت میں ہے"، یا "یہ انسان کی فطری کمزوری ہے"، اسی کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتا ہے کہ "انسان ایسا پیدا کیا گیا ہے"۔ اس مقام پر یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ قرآن مجید میں بکثرت مواقع پر نوعِ انسان کی عام اخلاقی کمزوریوں کا ذکر کرنے کے بعد ایمان لانے والے اور راہِ راست اختیار کر لینے والے لوگوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی مضمون آگے کی آیات میں بھی آ رہا ہے۔ اس سے یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہ پیدائشی کمزوریاں ناقابلِ تغیر و تبدل نہیں ہیں، بلکہ انسان اگر خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کو قبول کر کے اپنے نفس کی اصلاح کے لیے عملاً کوشش کرے تو وہ ان کو دُور کر سکتا ہے، اور اگر وہ نفس کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دے تو یہ اس کے اندر راسخ ہو جاتی ہیں (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، الانبیاء، حاشیہ ۴۱۔ جلد چہارم، الزمر، حواشی ۲۳-۲۸۔ الشوریٰ، حاشیہ ۷۵)۔

۱۴ کسی شخص کا نماز پڑھنا لازماً یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب اور آخرت پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اپنے اس ایمان کے مطابق عمل بھی کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۱۵ یعنی کسی قسم کی سُستی اور آرام طلبی، یا مصروفیت، یا دلچسپی ان کی نماز کی پابندی میں مانع نہیں ہوتی جب

جو روزِ جزا کو برحق مانتے ہیں[۱۸]، جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں[۲۰]، کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی بے خوف ہو، جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں[۲۱] ـــــ بجز اپنی بیویوں یا اپنی مملوکہ عورتوں کے جن سے محفوظ نہ رکھنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور

نماز کا وقت آ جائے تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے خدا کی عبادت بجا لانے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَائِمُوْنَ کے ایک اور معنی حضرت عُقْبَہ بن عامر نے یہ بیان کیے ہیں کہ وہ پورے سکون اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ کوے کی طرح ٹھونگیں نہیں مارتے۔ مارا مار پڑھ کر کسی نہ کسی طرح نماز سے فارغ ہو جانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور نماز کے دوران میں اِدھر اُدھر التفات بھی نہیں کرتے۔ عربی محاورے میں ٹھیرے ہوئے پانی کو ماءِ دائم کہا جاتا ہے۔ اُسی سے یہ تعبیر ماخوذ ہے۔

[۱۶] سورۂ ذاریات آیت ۱۹ میں فرمایا گیا ہے کہ "اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے" اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ "ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے"۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ مقرر حق سے مراد فرض زکوٰۃ ہے، کیونکہ اُسی میں نصاب اور شرح، دونوں چیزیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ لیکن یہ تفسیر اس بنا پر قابلِ قبول نہیں ہے کہ سورۂ معارج بالاتفاق مکی ہے، اور زکوٰۃ ایک مخصوص نصاب اور شرح کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ اس لیے مقرر حق کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک حصہ طے کر رکھا ہے جسے وہ اُن کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ یہی معنی حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد، شعبی اور ابراہیم نخعی نے بیان کیے ہیں۔

سائل سے مراد پیشہ ور بھیک مانگنے والا نہیں بلکہ وہ حاجت مند شخص ہے جو کسی سے مدد مانگے اور محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو بے روزگار ہو، یا روزی کمانے کی کوشش کرتا ہو مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں، یا کسی حادثے یا آفت کا شکار ہو کر محتاج ہو گیا ہو، یا روزی کمانے کے قابل ہی نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی محروم ہیں تو ایک خدا پرست انسان اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ اس سے مدد مانگیں، بلکہ اُن کی محرومی کا علم ہوتے ہی وہ خود آگے بڑھ کر ان کی مدد کرتا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد پنجم، تفسیر سورۂ ذاریات، حاشیہ ۱۷)۔

چاہیں وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں[۲۰]۔ جو اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں[۲۱]، جو اپنی گواہیوں میں راست بازی پر قائم رہتے ہیں[۲۲]، اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں[۲۳]۔ یہ لوگ

---

[۱۷] یعنی دنیا میں اپنے آپ کو غیر ذمہ دار اور غیر جواب دہ نہیں سمجھتے، بلکہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ایک دن انہیں اپنے خدا کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

[۱۸] بالفاظ دیگر ان کا حال کفار کی طرح نہیں ہے جو دنیا میں ہر قسم کے گناہ اور جرائم اور ظلم و ستم کر کے بھی خدا سے نہیں ڈرتے، بلکہ وہ اپنی حد تک اخلاق اور اعمال میں نیک رویہ اختیار کرنے کے باوجود خدا سے ڈرتے رہتے ہیں اور یہ اندیشہ اُن کو لاحق رہتا ہے کہ کہیں خدا کی عدالت میں ہماری کوتاہیاں ہماری نیکیوں سے بڑھ کر نہ نکلیں اور ہم سزا کے مستحق نہ قرار پا جائیں (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، المومنون، حاشیہ ۴۵۔ جلد پنجم، الذاریات، حاشیہ ۱۹)۔

[۱۹] شرم گاہوں کی حفاظت سے مراد زنا سے پرہیز بھی ہے اور عریانی سے پرہیز بھی (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، المومنون، حاشیہ ۶، النور، حواشی ۳۰-۳۲۔ جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۶۲)

[۲۰] تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، المومنون، حاشیہ ۷۔

[۲۱] امانتوں سے مراد وہ امانتیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہیں اور وہ امانتیں بھی جو انسان کسی دوسرے انسان پر اعتماد کر کے اس کے حوالے کرتا ہے۔ اسی طرح عہد سے مراد وہ عہد بھی ہیں جو بندہ اپنے خدا سے کرتا ہے، اور وہ عہد بھی جو بندے ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ ان دونوں قسم کی امانتوں اور دونوں قسم کے عہد و پیمان کا پاس و لحاظ ایک مومن کی سیرت کے لازمی خصائص میں سے ہے۔ حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے جو تقریر بھی فرماتے اس میں یہ بات ضرور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ الا، لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ "خبردار رہو، جس میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں، اور جو عہد کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں" (بیہقی فی شعب الایمان)۔

[۲۲] یعنی نہ شہادت چھپاتے ہیں، نہ اس میں کوئی کمی بیشی کرتے ہیں۔

اع عزت کے ساتھ جنت کے باغوں میں رہیں گے۔ ع

پس اے نبی، کیا بات ہے کہ یہ منکرین دائیں اور بائیں سے گروہ در گروہ تمہاری طرف دوڑے چلے آرہے ہیں؟ ۲۴ کیا ان میں سے ہر ایک یہ لالچ رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟ ۲۵ ہرگز نہیں۔ ہم نے جس چیز سے ان کو پیدا کیا ہے اُسے یہ خود جانتے ہیں ۲۶۔ پس نہیں ۲۷، میں قسم

---

۲۳ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس بلند سیرت و کردار کے لوگ خدا کی جنت کے مستحق قرار دیے گئے ہیں ان کی صفات کا ذکر نماز ہی سے شروع اور اسی پر ختم کیا گیا ہے۔ نمازی ہونا ان کی پہلی صفت ہے، نماز کا ہمیشہ پابند رہنا ان کی دوسری صفت، اور نماز کی حفاظت کرنا اُن کی آخری صفت۔ نماز کی حفاظت سے بہت سی چیزیں مراد ہیں۔ وقت پر نماز ادا کرنا۔ نماز سے پہلے یہ اطمینان کر لینا کہ جسم اور کپڑے پاک ہیں۔ باوضو ہونا اور وضو میں اعضاء کو اچھی طرح دھونا۔ ارکان اور واجبات اور مستحباتِ نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا۔ نماز کے آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھنا۔ اور خدا کی نافرمانیاں کر کے اپنی نمازوں کو ضائع نہ کرنا۔ یہ سب چیزیں نماز کی حفاظت میں شامل ہیں۔

۲۴ یہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور تلاوتِ قرآن کی آواز سن کر مذاق اڑانے اور آوازے کسنے کے لیے چاروں طرف سے دوڑ پڑتے تھے۔

۲۵ مطلب یہ ہے کہ خدا کی جنت تو اُن لوگوں کے لیے ہے جن کی صفات ابھی ابھی بیان کی جا چکی ہیں۔ اب کیا یہ لوگ جو حق بات سننا تک گوارا نہیں کرتے اور حق کی آواز کو دبا دینے کے لیے یوں دوڑے چلے آرہے ہیں، جنت کے امیدوار ہو سکتے ہیں؟ کیا خدا نے اپنی جنت ایسے ہی لوگوں کے لیے بنائی ہے؟ اس مقام پر سورۂ القلم کی آیات ۳۴ - ۴۱ بھی پیشِ نظر رکھنی چاہییں جن میں کفارِ مکہ کو ان کی اِس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ آخرت اگر ہوئی بھی تو وہاں وہ اُسی طرح مزے کریں گے جس طرح دنیا میں کر رہے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اُسی طرح خستہ حال رہیں گے جس طرح آج دنیا میں ہیں۔

۲۶ اِس مقام پر اِس فقرے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ مضمونِ سابق کے ساتھ اس کا تعلق مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس مادے سے یہ لوگ بنے ہیں اس کے لحاظ سے تو سب انسان یکساں ہیں۔ اگر وہ مادہ ہی انسان کو

کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی،[۲۸] ہم اِس پر قادر ہیں کہ اِن کی جگہ اِن سے بہتر لوگ لے آئیں۔
اور کوئی ہم سے بازی لے جانے والا نہیں ہے[۲۹]۔ لہٰذا اِنہیں اپنی بیہودہ باتوں اور اپنے کھیل میں پڑا
رہنے دو یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن کو پہنچ جائیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے، جب یہ اپنی

جنت میں جانے کا سبب ہو تو نیک و بد، ظالم و عادل، مجرم اور بے گناہ، سب ہی کو جنت میں جانا چاہیے۔ لیکن معمولی عقل ہی یہ فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ جنت کا استحقاق انسان کے مادۂ تخلیق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اس کے اوصاف کے لحاظ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس فقرے کو بعد کے مضمون کی تمہید سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو ہمارے عذاب سے محفوظ سمجھ رہے ہیں اور جو شخص انہیں ہماری پکڑ سے ڈراتا ہے اس کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ ہم اِن کو دنیا میں بھی جب چاہیں عذاب دے سکتے ہیں اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے بھی جب چاہیں اٹھا سکتے ہیں۔ یہ خود جانتے ہیں کہ نطفے کی ایک حقیر سی بوند سے ان کی تخلیق کی ابتدا کر کے ہم نے ان کو چلتا پھرتا انسان بنایا ہے۔ اگر اپنی اِس خلقت پر یہ غور کرتے تو اِنہیں کبھی یہ غلط فہمی لاحق نہ ہوتی کہ اب یہ ہماری گرفت سے باہر ہو گئے ہیں، یا ہم انہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔

۲۷ یعنی بات وہ نہیں ہے جو انہوں نے سمجھ رکھی ہے۔

۲۸ یہاں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ مشرقوں اور مغربوں کا لفظ اِس بنا پر استعمال کیا گیا ہے کہ سال کے دوران میں سورج ہر روز ایک نئے زاویے سے طلوع اور نئے زاویے پر غروب ہوتا ہے۔ نیز زمین کے مختلف حصوں پر سورج الگ الگ اوقات میں پے درپے طلوع اور غروب ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان اعتبارات سے مشرق اور مغرب ایک نہیں ہیں بلکہ بہت سے ہیں۔ ایک دوسرے اعتبار سے شمال اور جنوب کے مقابلے میں ایک جہت مشرق ہے اور دوسری جہت مغرب۔ اِس بنا پر سورۂ شعراء، آیت ۲۸، اور سورۂ مزمل، آیت ۹ میں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک اور لحاظ سے زمین کے دو مشرق اور دو مغرب ہیں، کیونکہ جب زمین کے ایک نصف کرے پر سورج غروب ہوتا ہے تو دوسرے پر طلوع ہوتا ہے۔ اس بنا پر سورۂ رحمٰن، آیت ۱۷ میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ کے الفاظ استعمال

قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑے جا رہے ہونگے جیسے اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف دوڑ رہے ہوں۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہونگی، ذلّت ان پر چھا رہی ہوگی۔ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے ع

فرمائے گئے ہیں (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد پنجم، الرحمٰن، حاشیہ ۱۷)

۲۹ یہ ہے وہ بات جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رب المشارق والمغارب ہونے کی قسم کھائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم چونکہ مشرقوں اور مغربوں کے مالک ہیں اس لیے پوری زمین ہمارے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہماری گرفت سے بچ نکلنا تمہارے بس میں نہیں ہے ہم جب چاہیں تمہیں ہلاک کر سکتے ہیں اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اٹھا سکتے ہیں جو تم سے بہتر ہو۔

۳۰ اصل الفاظ ہیں اِلٰی نُصُبٍ یُّوفِضُونَ۔ نصب کے معنی میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے اس سے مراد بُت لیے ہیں اور اُن کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ داورِ محشر کی مقرر کی ہوئی جگہ کی طرف اس طرح دوڑے جا رہے ہونگے جیسے آج وہ اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے اس سے مراد وہ نشان لیے ہیں جو دوڑ کا مقابلہ کرنے والوں کے لیے لگائے جاتے ہیں تاکہ ہر ایک دوسرے سے پہلے مقرر نشان پر پہنچنے کی کوشش کرے۔

تفہیم القرآن

نُوح

نام | "نوح" اس سورۃ کا نام بھی ہے اور اس کے مضمون کا عنوان بھی، کیونکہ اس میں ابتدا سے تاآخر حضرت نوح علیہ السلام ہی کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول | یہ بھی مکۂ معظمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے، مگر اس کے مضمون کی داخلی شہادت اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کے مقابلہ میں کفّارِ مکہ کی مخالفت اچھی خاصی شدّت اختیار کر چکی تھی۔

موضوع اور مضمون | اس میں حضرت نوحؑ کا قصہ محض قصہ گوئی کی خاطر بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس سے مقصود کفّارِ مکہ کو متنبّہ کرنا ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی رویّہ اختیار کر رہے ہو جو حضرت نوحؑ کے ساتھ ان کی قوم نے اختیار کیا تھا، اور اس رویّے سے اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں بھی وہی انجام دیکھنا پڑے گا جو ان لوگوں نے دیکھا۔ یہ بات پوری سورۃ میں کہیں صاف الفاظ میں نہیں کہی گئی ہے، لیکن جس موقع پر اور جن حالات میں یہ قصہ اہلِ مکہ کو سنایا گیا ہے اس پس منظر میں خود بخود یہ مضمون اس سے مترشح ہوتا ہے۔

پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ کو جب اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر مامور فرمایا تھا اُس وقت کیا خدمت اُن کے سپرد کی گئی تھی۔

آیات ۲-۴ میں مختصراً یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی دعوت کا آغاز کس طرح کیا اور اپنی

قوم کے لوگوں کے سامنے کیا بات پیش کی۔

پھر مدتہائے دراز تک دعوت و تبلیغ کی زحمتیں اٹھانے کے بعد جو رُوداد حضرت نوحؑ نے اپنے رب کے حضور پیش کی وہ آیات ۵-۲۰ میں بیان کی گئی ہے۔ اس میں وہ عرض کرتے ہیں کہ کس کس طرح انہوں نے اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کی کوششیں کیں اور قوم نے ان کا مقابلہ کس ہٹ دھرمی سے کیا۔

اس کے بعد حضرت نوحؑ کی آخری گزارش آیات ۲۱-۲۴ میں درج کی گئی ہے جس میں وہ اپنے رب سے عرض کرتے ہیں کہ یہ قوم میری بات قطعی طور پر رد کر چکی ہے، اس نے اپنی نکیل اپنے رئیسوں کے ہاتھ میں دے دی ہے، اور انہوں نے بہت بڑا مکر کا جال پھیلا رکھا ہے، اب وقت آ گیا ہے کہ اِن لوگوں سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جائے۔ یہ حضرت نوحؑ کی طرف سے کسی بے صبری کا مظاہرہ نہ تھا بلکہ صدیوں تک انتہائی صبر آزما حالات میں تبلیغ کا فریضہ انجام دینے کے بعد جب وہ اپنی قوم سے پوری طرح مایوس ہو گئے تو انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ اب اِس قوم کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان باقی نہیں ہے۔ یہ رائے ٹھیک ٹھیک اللہ تعالیٰ کے اپنے فیصلے کے مطابق تھی۔ چنانچہ اس کے متصلاً بعد آیت ۲۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ اس قوم پر اس کے کرتوتوں کی وجہ سے خدا کا عذاب نازل ہو گیا۔

آخری آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی وہ دعا درج کی گئی ہے جو انہوں نے عین نزولِ عذاب کے وقت اپنے رب سے مانگی تھی۔ اس میں وہ اپنے لیے اور سب اہلِ ایمان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور اپنی قوم کے کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو زمین پر بسنے کے لیے جیتا نہ چھوڑا جائے، کیونکہ ان کے اندر اب کوئی خیر باقی نہیں رہی ہے، ان کی نسل سے جو بھی اٹھے گا کافر و فاجر ہی اٹھے گا۔

اس سورہ کا مطالعہ کرتے ہوئے حضرت نوحؑ کے قصے کی وہ تفصیلات نگاہ میں رہنی چاہییں جو اِس سے پہلے قرآن مجید میں بیان ہو چکی ہیں۔ ملاحظہ ہو الاعراف، آیات ۵۹ تا ۶۴۔

یونس، ۱۔۷، ۳۔ ہود، ۲۵ تا ۴۹۔ المومنون، ۲۳ تا ۳۱۔ الشعرآء، ۱۰۵ تا ۱۲۲۔ العنکبوت، ۱۴، ۱۵۔ الصافات، ۷۵ تا ۸۲۔ القمر، ۹ تا ۱۶۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا (اِس ہدایت کے ساتھ) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کردے قبل اِس کے کہ اُن پر ایک دردناک عذاب آئے[۱]۔

اُس نے کہا، اَے میری قوم کے لوگو، مَیں تمہارے لیے ایک صاف صاف خبردار کردینے والا (پیغمبر) ہوں۔ (تم کو آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو[۲]، اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا[۳] اور تمہیں ایک وقتِ مقرر تک باقی رکھے گا[۴]۔ حقیقت یہ ہے کہ

---

[۱] یعنی اُن کو اس بات سے آگاہ کردے کہ جن گمراہیوں اور اخلاقی خرابیوں میں وہ مبتلا ہیں وہ ان کو خدا کے عذاب کا مستحق بنادیں گی اگر وہ ان سے باز نہ آئے، اور اُن کو بتا دے کہ اُس عذاب سے بچنے کے لیے انہیں کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

[۲] یہ تین باتیں تھیں جو حضرت نوحؑ نے اپنی رسالت کا آغاز کرتے ہوئے اپنی قوم کے سامنے پیش کیں۔ ایک، اللہ کی بندگی۔ دوسرے، تقویٰ۔ تیسرے رسول کی اطاعت۔ اللہ کی بندگی کا مطلب یہ تھا کہ دوسروں کی بندگی و عبادت چھوڑ کر اور صرف اللہ ہی کو اپنا معبود تسلیم کرکے اُسی کی پرستش کرو اور اُسی کے احکام بجا لاؤ۔ تقویٰ کا مطلب یہ تھا کہ اُن کاموں سے پرہیز کرو جو اللہ کی ناراضی اور اس کے غضب کے موجب ہیں، اور اپنی زندگی میں وہ روش اختیار کرو جو خداترس لوگوں کو اختیار کرنی چاہیے۔ رہی تیسری بات کہ "میری اطاعت کرو"، تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اُن احکام کی اطاعت کرو جو اللہ کا رسول ہونے کی حیثیت سے میں تمہیں دیتا ہوں۔

[۳] اصل الفاظ ہیں یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ۔ اس فقرے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بعض کو معاف کردے گا، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر تم اُن تین باتوں کو قبول کرلو جو تمہارے سامنے پیش کی جارہی ہیں تو اب تک جو گناہ تم کرچکے ہو اُن سب سے وہ درگزر فرمائے گا۔ یہاں مِنْ تبعیض کے لیے نہیں بلکہ

اللہ کا مقرر کیا ہُوا وقت جب آجاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جاتا،[۵] کاش تمہیں اس کا علم ہوتا[۶]

اُس[۷] نے عرض کیا، اَے میرے رب، مَیں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز پکارا مگر میری پکار نے اُن کے فرار ہی میں اضافہ کیا۔[۸] اور جب بھی مَیں نے اُن کو بلایا تاکہ تو اُنہیں معاف کر دے[۹]، انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے مُنہ ڈھانک لیے[۱۰] اور اپنی روش پر اَڑ گئے اور

عَنْ کے معنی میں ہے۔

۴؎ یعنی اگر تم نے یہ تین باتیں مان لیں تو تمہیں دنیا میں اُس وقت تک جینے کی مہلت دے دی جائے گی جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طبعی موت کے لیے مقرر کیا ہے۔

۵؎ اِس دوسرے وقت سے مراد وہ وقت ہے جو اللہ نے کسی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے مقرر کر دیا ہو۔ اِس کے متعلق متعدد مقامات پر قرآن مجید میں یہ بات بصراحت بیان کی گئی ہے کہ جب کسی قوم کے حق میں نزولِ عذاب کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے اُس کے بعد وہ ایمان بھی لے آئے تو اسے معاف نہیں کیا جاتا۔

۶؎ یعنی اگر تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ میرے ذریعہ سے اللہ کا پیغام پہنچ جانے کے بعد اب جو وقت گزر رہا ہے یہ دراصل ایک مہلت ہے جو تمہیں ایمان لانے کے لیے دی جا رہی ہے، اور اس مہلت کی مدّت ختم ہو جانے کے بعد پھر خدا کے عذاب سے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے، تو تم ایمان لانے میں جلدی کرو گے اور نزولِ عذاب کا وقت آنے تک اس کو ٹالتے نہ چلے جاؤ گے۔

۷؎ بیچ میں ایک طویل زمانے کی تاریخ چھوڑ کر اب حضرت نوح علیہ السّلام کی وہ عرضداشت نقل کی جا رہی ہے جو اُنہوں نے اپنی رسالت کے آخری دَور میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی۔

۸؎ یعنی جتنا جتنا میں اُن کو پکارتا گیا اتنے ہی زیادہ وہ دُور بھاگتے چلے گئے۔

۹؎ اِس میں خود بخود یہ مضمون شامل ہے کہ وہ نافرمانی کی روش چھوڑ کر معافی کے طلب گار ہوں، کیونکہ اِسی صورت میں اُن کو اللہ تعالیٰ سے معافی مل سکتی تھی۔

۱۰؎ منہ ڈھانکنے کی غرض یا تو یہ تھی کہ وہ حضرت نوحؑ کی بات سننا تو درکنار، آپ کی شکل بھی دیکھنا پسند

بڑا تکبّر کیا۔[۱۱] پھر میں نے ان کو بانگ پکار کے دعوت دی۔ پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔[۱۲] تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں

نہ کرتے تھے، یا پھر یہ حرکت وہ اس لیے کرتے تھے کہ آپ کے سامنے سے گزرتے ہوئے منہ چھپا کر نکل جائیں اور اس کی نوبت ہی نہ آنے دیں کہ آپ انہیں پہچان کر اُن سے بات کرنے لگیں۔ یہ ٹھیک وہی طرزِ عمل تھا جو کفارِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کر رہے تھے۔ سورۂ ہودؑ آیت ۵ میں اُن کے اِس رویّے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: "دیکھو یہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ رسول سے چھُپ جائیں۔ خبردار! جب یہ اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانکتے ہیں تو اللہ ان کے کھلے کو بھی جانتا ہے اور چھُپے کو بھی، وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں سے بھی واقف ہے" (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، ہود، حواشی ۵-۶)۔

[۱۱] تکبّر سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے حق کے آگے سر جھکا دینے اور خدا کے رسول کی نصیحت قبول کر لینے کو اپنی شان سے گری ہوئی بات سمجھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بھلا آدمی کسی بگڑے ہوئے شخص کو نصیحت کرے اور وہ جواب میں سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہو اور پاؤں پٹختا ہوا نکل جائے تو یہ تکبّر کے ساتھ کلامِ نصیحت کو رد کرنا ہو گا۔

[۱۲] یہ بات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ خدا سے بغاوت کی روش صرف آخرت ہی میں نہیں، دنیا میں بھی انسان کی زندگی کو تنگ کر دیتی ہے، اور اس کے برعکس اگر کوئی قوم نافرمانی کے بجائے ایمان و تقویٰ اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کا طریقہ اختیار کر لے تو یہ آخرت ہی میں نافع نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی اُس پر نعمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے "اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہو گی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے" (آیت ۱۲۴)۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا ہے "اور اگر اِن اہلِ کتاب نے توراۃ اور انجیل اور اُن دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو اِن کے رب کی طرف سے اِن کے پاس بھیجی گئی تھیں تو اِن کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے اُبلتا" (آیت ۶۶)۔

رکھتے؟ حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمہیں بنایا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان

سورۂ اعراف میں فرمایا "اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے" (آیت ۹۶)۔ سورۂ ہود میں ہے کہ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کو خطاب کر کے فرمایا "اور اے میری قوم کے لوگو، اپنے رب سے معافی چاہو، پھر اس کی طرف پلٹو، وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا" (آیت ۵۲)۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے بھی اسی سورۂ ہود میں اہلِ مکہ کو مخاطب کر کے یہ بات فرمائی گئی "اور یہ کہ اپنے رب سے معافی چاہو، پھر اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مقرر وقت تک تم کو اچھا سامانِ زندگی دے گا" (آیت ۳)۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لوگوں سے فرمایا کہ "ایک کلمہ ہے جس کے تم قائل ہو جاؤ تو عرب و عجم کے فرمانروا ہو جاؤ گے"۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اوّل۔ المائدہ، حاشیہ ۹۶۔ جلد دوم، ہود، حواشی ۳ و ۵۷۔ جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۱۰۵۔ جلد چہارم، دیباچہ سورۂ ص)۔

قرآن مجید کی اسی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ایک مرتبہ قحط کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی دعا کرنے کے لیے نکلے اور صرف استغفار پر اکتفا فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا، امیر المومنین آپ نے بارش کے لیے تو دعا کی ہی نہیں۔ فرمایا، میں نے آسمان کے اُن دروازوں کو کھٹکھٹا دیا ہے جہاں سے بارش نازل ہوتی ہے، اور پھر سُورۂ نوحؑ کی یہ آیات لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں (ابن جریر و ابن کثیر)۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت حسن بصری کی مجلس میں ایک شخص نے خشک سالی کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا اللہ سے استغفار کرو۔ دوسرے شخص نے تنگ دستی کی شکایت کی، تیسرے نے کہا میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی، چوتھے نے کہا میری زمین کی پیداوار کم ہو رہی ہے۔ ہر ایک کو وہ یہی جواب دیتے چلے گئے کہ استغفار کرو۔ لوگوں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ سب کو مختلف شکایتوں کا ایک ہی علاج بتا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب میں سورۂ نوحؑ کی یہ آیات سنا دیں (کشاف)۔

۱۲؎ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے رئیسوں اور سرداروں کے بارے میں تو تم یہ سمجھتے ہو کہ ان

تہ برتہ بنائے اور اُن میں چاند کو نور اور سُورج کو چراغ بنایا ؟ اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اُگایا،^{۱۴} پھر وہ تمہیں اِسی زمین میں واپس لے جائے گا اور اس سے یکایک تم کو نکال کھڑا کرے گا اور اللہ نے زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا تاکہ تم اس کے اندر کُھلے راستوں میں چلو ؏ اع

کے دعاء کے خلاف کوئی حرکت کرنا خطرناک ہے، مگر خداوندِ عالم کے متعلق تم یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ بھی کوئی باز دار ہستی ہوگا۔ اُس کے خلاف تم بغاوت کرتے ہو، اُس کی خدائی میں دوسروں کو شریک ٹھیراتے ہو۔ اُس کے احکام کی نافرمانیاں کرتے ہو، اور اس سے تمہیں یہ اندیشہ لاحق نہیں ہوتا کہ وہ اس کی سزا دے گا۔

۱۴؎ یعنی تخلیق کے مختلف مدارج اور اطوار سے گزارتا ہُوا تمہیں موجودہ حالت پر لایا ہے۔ پہلے تم ماں اور باپ کی صُلب میں الگ الگ نطفوں کی شکل میں تھے۔ پھر خدا کی قدرت ہی سے یہ دونوں نطفے ملے اور تمہارا استقرارِ حمل ہُوا۔ پھر نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں تدریجی نشوونما دے کر تمہیں پوری انسانی شکل دی گئی اور تمہارے اندر تمام وہ قوتیں پیدا کی گئیں جو دنیا میں انسان کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے تمہیں درکار تھیں پھر ایک زندہ بچے کی صورت میں تم بطنِ مادر سے باہر آئے اور ہر آن تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت تک ترقی دی جاتی رہی یہاں تک کہ تم جوانی اور کہولت کی عمر کو پہنچے۔ اِن تمام منازل سے گزرتے ہوئے تم ہر وقت پُوری طرح خدا کے بس میں تھے۔ وہ چاہتا تو تمہارا استقرارِ حمل ہی نہ ہونے دیتا اور تمہاری جگہ کسی اور شخص کا استقرار ہوتا۔ وہ چاہتا تو ماں کے پیٹ ہی میں تمہیں اندھا، بہرا، گونگا، یا اپاہج بنا دیتا یا تمہاری عقل میں کوئی فتور رکھ دیتا۔ وہ چاہتا تو تم زندہ بچے کی صورت میں پیدا ہی نہ ہوتے۔ پیدا ہونے کے بعد بھی وہ تمہیں ہر وقت ہلاک کر سکتا تھا، اور اس کے ایک اشارے پر کسی وقت بھی تم کسی حادثے کے شکار ہو سکتے تھے۔ جس خدا کے بس میں تم اس طرح بے بس ہو اس کے متعلق تم نے یہ کیسے سمجھ رکھا ہے کہ اس کی شان میں ہر گستاخی کی جا سکتی ہے، اس کے ساتھ ہر طرح کی نمک حرامی اور احسان فراموشی کی جا سکتی ہے، اس کے خلاف ہر قسم کی بغاوت کی جا سکتی ہے اور اِن حرکتوں کا کوئی خمیازہ تمہیں بھگتنا نہیں پڑے گا۔

۱۵؎ یہاں زمین کے مادّوں سے انسان کی پیدائش کو نباتات کے اُگنے سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح کسی وقت اِس کُرّے پر نباتات موجود نہ تھیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں اُن کو اُگایا، اُسی طرح ایک وقت

نوحؑ نے کہا، میرے رب، انہوں نے میری بات رد کر دی اور اُن (رئیسوں) کی پیروی کی جو مال اور اولاد پاکر اور زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔ اِن لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے[۱۶]۔ اِنہوں نے کہا "ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور نہ چھوڑو وَدّ اور سُواع کو، اور نہ یَغوث اور یَعوق اور نَسر کو[۱۷]۔"

تھا جب روئے زمین پر انسان کا کوئی وجود نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی پود لگائی۔

[۱۶] مکر سے مراد ان سرداروں اور پیشواؤں کے وہ فریب ہیں جن سے وہ اپنی قوم کے عوام کو حضرت نوحؑ کی تعلیمات کے خلاف بہکانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ نوحؑ تمہی جیسا ایک آدمی ہے، کیسے مان لیا جائے کہ اس پر خدا کی طرف سے وحی آئی ہے (الاعراف ۶۳۔ ہود ۲۷)۔ نوحؑ کی پیروی تو ہمارے اَراذِل نے بے سوچے سمجھے قبول کر لی ہے، اگر اس کی بات میں کوئی وزن ہوتا تو قوم کے اکابر اس پر ایمان لاتے (ہود ۲۷)۔ خدا کو اگر بھیجنا ہوتا تو کوئی فرشتہ بھیجتا (المومنون ۲۴)۔ اگر یہ شخص خدا کا بھیجا ہوا ہوتا تو اس کے پاس خزانے ہوتے، اِس کو علمِ غیب حاصل ہوتا اور یہ فرشتوں کی طرح تمام انسانی حاجات سے بے نیاز ہوتا (ہود ۳۱)۔ نوحؑ اور اس کے پیروؤں میں آخر کونسی کرامت نظر آتی ہے جس کی بنا پر ان کی فضیلت مان لی جائے (ہود ۲۷)۔ یہ شخص دراصل تم پر اپنی سرداری جمانا چاہتا ہے (المومنون ۲۴)۔ اِس شخص پر کسی جن کا سایہ ہے جس نے اسے دیوانہ بنا دیا ہے (المومنون ۲۵)۔ قریب قریب یہی باتیں تھیں جن سے قریش کے سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو بہکایا کرتے تھے۔

[۱۷] قومِ نوحؑ کے معبودوں میں سے یہاں اُن معبودوں کے نام لیے گئے ہیں جنہیں بعد میں اہلِ عرب نے بھی پوجنا شروع کر دیا تھا اور آغازِ اسلام کے وقت عرب میں جگہ جگہ ان کے مندر بنے ہوئے تھے۔ بعید نہیں کہ طوفان میں جو لوگ بچ گئے تھے ان کی زبان سے بعد کی نسلوں نے قومِ نوحؑ کے قدیم معبودوں کا ذکر سُنا ہو اور جب از سرِ نو اُن کی اولاد میں جاہلیت پھیلی تو انہی معبودوں کے بت بنا کر انہوں نے پھر انہیں پوجنا شروع کر دیا ہو۔

وَدّ قبیلۂ قُضاعہ کی شاخ بنی کَلب بن وَبرَہ کا معبود تھا جس کا استھان انہوں نے دُومَۃُ الجَندل میں بنا رکھا تھا۔ عرب کے قدیم کتبات میں اس کا نام وَدَّم اَبَم (وِدّ باپ) لکھا ہوا ملتا ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس کا

انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے، اور تو بھی اِن ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقی نہ دے؎۱۸۔
اپنی خطاؤں کی بنا پر ہی وہ غرق کیے گئے اور آگ میں جھونک دیئے گئے؎۱۹، پھر انہوں نے اپنے

بُت ایک نہایت عظیم الجثہ مرد کی شکل کا بنا ہُوا تھا۔ قریش کے لوگ بھی اس کو معبود مانتے تھے اور اس کا نام ان کے ہاں وَدّ تھا۔ اسی کے نام پر تاریخ میں ایک شخص کا نام عبد وُدّ ملتا ہے۔

سُواع قبیلۂ ہُذَیل کی دیوی تھی اور اس کا بُت عورت کی شکل کا بنایا گیا تھا۔ ینبوع کے قریب رُہاط کے مقام پر اس کا مندر واقع تھا۔

یَغُوث قبیلۂ طَے کی شاخ اَنعُم اور قبیلۂ مَذحِج کی بعض شاخوں کا معبود تھا۔ مذحج والوں نے یمن اور حجاز کے درمیان جُرَش کے مقام پر اس کا بُت نصب کر رکھا تھا جس کی شکل شیر کی تھی۔ قریش کے لوگوں میں بھی بعض کا نام عبد یغوث ملتا ہے۔

یَعُوق یمن کے علاقۂ ہمدان میں قبیلۂ ہمدان کی شاخ خَیوان کا معبود تھا اور اس کا بُت گھوڑے کی شکل کا تھا

نَسر حِمیَر کے علاقے میں قبیلۂ حمیر کی شاخ آلِ ذوالکلاع کا معبود تھا اور بَلخَع کے مقام پر اس کا بُت نصب تھا جس کی شکل گِدھ کی تھی۔ سبا کے قدیم کتبوں میں اس کا نام نَسوُر لکھا ہُوا ملتا ہے۔ اس کے مندر کو وہ لوگ بیتِ نسور، اور اس کے پجاریوں کو اہلِ نسور کہتے تھے۔ قدیم مندروں کے جو آثار عرب اور اس کے متصل علاقوں میں پائے جاتے ہیں ان میں سے بہت سے مندروں کے دروازوں پر گِدھ کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

؎۱۸ جیسا کہ ہم اس سورہ کے دیباچے میں بیان کر چکے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بددعا کسی بے صبری کی بنا پر نہ تھی بلکہ یہ اُس وقت ان کی زبان سے نکلی تھی جب صدیوں تک تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد وہ اپنی قوم سے پُوری طرح مایوس ہو چکے تھے۔ ایسے ہی حالات میں حضرت موسیٰ نے بھی فرعون اور قوم فرعون کے حق میں یہ بددعا کی تھی کہ "پروردگار ان کے مال غارت کر دے اور اِن کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں"، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: "تمہاری دعا قبول کی گئی" (یونس، آیات ۸۸-۸۹)۔ حضرت موسیٰ کی طرح حضرت نوحؑ کی یہ بددعا بھی عین

لیے اللہ سے بچانے والا کوئی مددگار نہ پایا۔[۲۰] اور نوح نے کہا، میرے رب، اِن کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تُو نے اِن کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا۔ میرے رب، مجھے اور میرے والدین کو، اور ہر اُس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے، اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے، اور ظالموں کے لیے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔ ع ۲

منشائے الٰہی کے مطابق تھی، چنانچہ سورۂ ہود میں ارشاد ہوا ہے وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ”اور نوحؑ پر وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اُن کے سوا اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے، اب ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑ دے“ (ہود۔ ۳۶)۔

[۱۹] یعنی غرق ہونے پر ان کا قصّہ تمام نہیں ہوگیا، بلکہ مرنے کے بعد فوراً ہی ان کی روحیں آگ کے عذاب میں مبتلا کر دی گئیں۔ یہ بعینہٖ وہی معاملہ ہے جو فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ کیا گیا، جیسا کہ سورۂ مومن، آیات ۴۵-۴۶ میں بیان کیا گیا ہے۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، المومن، حاشیہ ۶۳)۔

[۲۰] یعنی اپنے جن معبودوں کو وہ اپنا حامی و مددگار سمجھتے تھے ان میں سے کوئی بھی انہیں بچانے کے لیے نہ آیا۔ یہ گویا تنبیہ تھی اہلِ مکّہ کے لیے کہ تم بھی اگر خدا کے عذاب میں مبتلا ہو گئے تو تمہارے یہ معبود، جن پر تم بھروسا کیے بیٹھے ہو، تمہارے کسی کام نہ آئیں گے۔

عدالتِ صحابہؓ

ملک غلام علی صاحب

عدالت کیسے مجروح ہوتی ہے؟ گزشتہ بحث میں عدالتِ صحابہؓ کا صحیح اور حقیقی مطلب و مفہوم بڑی حد تک واضح کیا جا چکا ہے اور یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ الصحابۃ کلھم عدول محدثین کا ایک خاص اصطلاحی مقولہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ حدیثِ نبویؐ روایت کرنے میں راست باز اور صادق القول ہیں اور ان سے کبھی کذب فی الحدیث کا صدور نہیں ہوا۔ اب عدالتِ صحابہ کا یہ اصول — کوئی اسے عقیدہ کہنا چاہے تو کہہ لے — اس وقت تک مجروح نہیں ہو سکتا جب تک کوئی شخص اس بات کا قائل نہ ہو کہ صحابہ کرام (معاذ اللہ) غلط یا جھوٹی بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے منسوب کر دیتے تھے، یا یہ نہ کہے کہ ان سے چونکہ گناہ یا خطا کا صدور ہو سکتا تھا اور ہوا ہے اس لیے ان کے بارے میں یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ جھوٹی حدیث بھی بیان کرتے ہوں اور اس بنا پر صحابہ کرامؓ یا کسی خاص صحابی کی عدالت اور ان کی بیان کردہ روایت کے صدق و کذب کی بھی اسی طرح چھان بین ہونی چاہیے جس طرح دوسرے راویوں کے بارے میں کی جاتی ہے[1]۔ مولانا مودودی ان میں سے کسی بات کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ہر صحابی رسول کو بلا استثناء عادل فی روایۃ الحدیث مانتے

---

[1] جن لوگوں نے اصولِ حدیث و اصولِ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتے کہ ان کتابوں میں جہاں کہیں الصحابۃ کلھم عدول کا کلیہ زیرِ بحث آیا ہے وہاں یہ بات بھی بیان کر دی گئی ہے کہ معتزلہ وغیرہ اس بات کے قائل تھے کہ جس طرح دوسرے رواۃِ حدیث کی عدالت کا معاملہ تحقیق و تفتیش طلب ہے اسی طرح صحابہ کرام کا بھی ہے، بالخصوص جن صحابہؓ نے دورِ فتن اور اختلافِ باہمی کا زمانہ پایا اور ان میں ایک فریق بن کر حصہ لیا، ان کی عدالت تحقیق طلب ہے۔ مگر اہلِ سنت نے اس قول کو رد کر دیا اور اب اس کے مردود ہونے پر اجماع ہے۔

ہیں۔ حضرت معاویہ، حضرتِ مغیرہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث کو انھوں نے اپنی کتابوں میں درج کرکے ان سے استدلال و استنباط کیا ہے۔ اس کے بعد آخر کس قاعدے کی بنا پر یہ اتہام جائز ہو سکتا ہے کہ "خلافت و ملوکیت" میں بیان کردہ واقعات سے عدالتِ صحابہؓ مجروح ہوتی ہے؟

مدیر "البلاغ" نے من مانے طریق پر عدالتِ صحابہ کی اقسام بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ عقلی طور پر عدالتِ صحابہؓ کے تین مفہوم ہو سکتے ہیں۔ تیسری قسم جسے انھوں نے بزعمِ خویش اہلِ سنت کا مسلک قرار دیا ہے، وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ "صحابہ کرام نہ تو معصوم تھے اور نہ فاسق۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی سے بعض مرتبہ بتقاضائے بشریت دو ایک یا چند غلطیاں سرزد ہوگئی ہوں۔ لیکن تنبّہ کے بعد انھوں نے توبہ کرلی اور اللہ نے انھیں معاف فرما دیا۔ اس لیے وہ ان غلطیوں کی بنا پر فاسق نہیں ہوئے۔ چنانچہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی صحابی نے گناہوں کو اپنی پالیسی بنالیا ہو جس کی وجہ سے اُسے فاسق قرار دیا جا سکے۔"

مولانا مودودی نے یا میں نے عدالتِ صحابہؓ کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی تائید میں علما و محدثینِ اہلِ سنت کے متعدد اقوال درج کیے جاچکے ہیں اور مزید کیے جا سکتے ہیں، لیکن مولانا عثمانی صاحب نے اپنی وضع کردہ تعریف کے حق میں ایک حوالہ بھی نقل نہیں فرمایا۔ تاہم مولانا مودودی کی کوئی تحریر عدالت کی اس تعریف سے بھی متصادم نہیں ہے۔ عثمانی صاحب اولاً فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نہ معصوم تھے نہ فاسق۔ میں پوچھتا ہوں کہ مولانا مودودی نے کس مقام پر کسی صحابی کو فاسق لکھا ہے؟ کیا ان کے صحابہ کو فقط غیر معصوم کہ دینے یا ان کی کسی غلطی کو بیان کردینے سے آپ یہ الزام ان پر جڑ دینا چاہتے ہیں؟ اگر اس طرح کے صغرے کبرے ملا کر الزامات برآمد ہو سکتے ہیں تو جو لوگ پاکدامن خواتین پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں، ان کے متعلق سورۂ نور آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے کہ اولئك هم الفاسقون پھر کہ دیجیے کہ حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت مسطحؓ، حمنہ بنت جحشؓ (جو ام المومنین حضرت زینبؓ کی بہن ہیں)، یہ سب سزا پانے اور توبہ کرنے کے بعد بھی فاسق ہیں بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جو فاسق ہیں! یہ آخر کیا طرزِ استدلال ہے؟ مولانا مودودی نے تو فسق یا فاسق کے الفاظ امیر معاویہؓ کے حق میں استعمال نہیں کیے لیکن آپ چاہیں تو میں اہلِ سنت کے چوٹی کے علما کی نشان دہی کرسکتا ہوں جنھوں نے یہ الفاظ بھی کہے ہیں۔ فسق یا بدعت کے الفاظ گالی یا سب و شتم کے الفاظ ہرگز نہیں ہیں۔ میں شاہ عبدالعزیزؒ کا قول پہلے نقل کرچکا ہوں جس میں انھوں نے امیر معاویہؓ ہی کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا الفاسق لیس باھل اللعن (فاسق لعن طعن کا مستحق نہیں ہے)۔

عدمِ اطاعت پر فسق کا اطلاق

اب ایک دوسرا قول لیجیے۔ کتاب المواقف قاضی عضد الدینؒ کی تصنیف ہے جس کا موضوع کلام اور عقائد اہل سنت کا اثبات ہے۔ اس کی ایک ضخیم شرح علامہ سید شریف علی بن محمد الجرجانی (ف ۸۱۶) نے سپردِ قلم کی ہے جو شرح المواقف کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے اواخر میں ایک باب الموقف السادس فی السمعیات کے نام سے موسوم ہے۔ اس باب میں وجوب نصب الامام کے زیرِ عنوان تعظیمِ صحابہ کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے جو کچھ علامہ جرجانی نے فرمایا ہے، اس کی پوری عربی عبارت اور پھر اس کا ترجمہ دینا تو موجب طوالت ہے۔ اس لیے میں شروع کے حصے کا ترجمہ دوں گا اور آخری حصہ عربی میں مع ترجمہ درج کروں گا۔ پہلے وہ فرماتے ہیں:

"تمام صحابہ کی تعظیم اور ان کی قدح نہ کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت و ثنا بیان فرمائی ہے اور بہت سی احادیث میں بھی ان کی تعریف بیان ہوئی ہے۔ پھر جو شخص ان کی سیرتوں پر غور کرتا ہے اور ان کے کارنامے، دینی جدوجہد اور اللہ و رسول کے لیے ان کی مالی اور جانی قربانیوں سے واقف ہوتا ہے تو اس شخص کے دل میں ان کی عظمتِ شان کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ باطل پرست صحابہ کرامؓ سے جو مطاعن منسوب کرتے ہیں، ان سے وہ بری ہیں اور وہ ان پر طعن کرنے سے رک جاتا ہے کیونکہ یہ منافیٔ ایمان ہے۔ ہم اس قسم کے مطاعن سے اپنی کتاب کو آلودہ نہیں کرنا چاہتے اور بڑی کتابوں میں یہ باتیں پوری طرح مذکور ہیں۔ اگر تم چاہو تو آگاہی حاصل کرنے کے لیے ان کا مطالعہ کر سکتے ہو۔ جہاں تک صحابہ کرام کے مابین واقع شدہ فتن و حروب کا تعلق ہے تو معتزلہ میں سے بعض نے تو ان کے وقوع ہی کا انکار کر دیا ہے مگر بلاشک و شبہ یہ انکار مکابرہ ہے ..... اور جن لوگوں نے ان فتنوں اور لڑائیوں کا اعتراف کیا ہے ان میں سے بعض نے فریقین کی تغلیط و تصویب کے معاملے میں سکوت اختیار کیا ہے اور یہ اہل سنت کا ایک گروہ ہے۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

والذی علیہ الجمھور من الامۃ ھو ان المخطی قتلۃ عثمان و محاربو علی لانھما

امامات فیحرم القتل والمخالفۃ قطعاً الا ان بعضھم کالقاضی ابی بکر ذھب ان ھذہ التخطیۃ لا تبلغ الی حد التفسیق ومنھم من ذھب الی التفسیق کالشیعۃ وکثیر من اصحابنا۔

"جمہور امت یعنی امت کی غالب اکثریت جس مسلک پر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین اور حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والے خطار کار تھے کیونکہ یہ دونوں خلفاء امامِ وقت تھے اور ان کا قتل اور ان کی مخالفت قطعی حرام تھی، البتہ امت کے بعض علماء مثلاً قاضی ابوبکر باقلانی کا موقف یہ ہے کہ یہ خطا تفسیق کی حد تک نہیں پہنچتی۔ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو محاربینِ علی کی تفسیق کے قائل ہیں، مثلاً شیعہ اور ہمارے علمائے سنت کی کثیر تعداد"

(شرح المواقف: جزء ثامن، ص ۳۷۳-۳۷۴، الطبعۃ الاولیٰ، مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۲۵ھ)

اب شرح المواقف کی اس بحث میں چند امور نہایت واضح ہیں۔ اس میں کتاب و سنت سے صحابۂ کرام کے فضائل و محامد بیان کرتے ہوئے جملہ صحابۂ کرامؓ کی تعظیم و تکریم کو واجب قرار دیا گیا ہے اور ان کی توہین و تنقیص سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ہمارے اہلِ علم اصحاب کی بڑی تعداد نے حضرت علیؓ سے لڑنے والوں کی تفسیق بھی کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفسیق اُس طعن اور قدح کی تعریف میں نہیں آتی جس سے ہمیں روکا گیا ہے اور نہ یہ اُس تعظیمِ صحابہ کے منافی ہے جس کے ہم مامور ہیں اور جس کے وجوب کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے۔ اس بحث سے مزید یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بلاشبہ اہلِ سنت کے ایک گروہ نے ان مقاتلات و محاربات کے معاملے میں خاموش رہنے کو ترجیح دی ہے لیکن جمہور امت کے نزدیک حضرت علیؓ کے خلاف تلوار اٹھانے والے خاطی تھے اور یہ خطا کثیر من اصحابنا کے نزدیک حدِ تفسیق تک جا پہنچی تھی، لیکن بعض کے نزدیک اس حد تک نہیں پہنچی تھی۔

<u>کیا صحابیؓ کا ہر قول و فعل اجتہاد ہے؟</u> مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں ہرگز تامل نہیں ہے کہ بہت سے علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام سب کے سب مجتہد تھے، اس لیے جن صحابہ نے خطا کی ہے، ان کی خطا بھی اجتہادی خطا ہے جس پر وہ دوہرے نہیں تو ایک اجر کے مستحق ہیں۔ لیکن اس کے جواب میں میری مؤدبانہ گزارش

ہے کہ الصحابۃ کلھم مجتہدین بھی کتاب و سنت کی کوئی نص نہیں ہے بلکہ علماء ہی کا بیان کردہ قول ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سب صحابی اجتہاد کے یکساں درجے پر فائز نہیں تھے۔ امیر معاویہؓ کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:

"پس ہر کہ اجتہاد ایشاں را نفی کند درست است زیرا کہ در حضورِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایشاں را آں مرتبہ حاصل نبود۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ہیچ مسئلہ بر صحت اجتہاد حکم نفرمودہ اند تا اجتہاد ایشاں معتبر و مفتی بہ تواند شد۔ و ہر کہ ایشاں را مجتہد گفت نیز درست گفت زیرا کہ در اخیر عمر بسبب سماعِ احادیثِ کثیرہ از صحابۂ دیگر بعضے مسائل فقہ دخل می کردند، ہمیں است معنی قولِ ابن عباس کہ انہ فقیہ۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۱۱ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)۔

(جن صحابۂ کرام کو مرتبہ اجتہاد کا حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہ ہوا تھا ایسے صحابۂ کرام کے اجتہاد کی نفی کرنا درست ہے اس واسطے کہ ایسے صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں مرتبہ اجتہاد کا حاصل نہ ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کے کسی مسئلہ اجتہادیہ کی تصدیق نہیں فرمائی ہے تا اجتہاد ان کا معتبر اور مفتی بہ ہو سکے۔ اور جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد کہا تو اسے بھی درست کہا، اس واسطے کہ حضرت معاویہؓ نے اخیر عمر میں احادیثِ کثیرہ دیگر صحابہ کبار سے سنیں اور اس وجہ سے بعض مسائلِ فقہ میں دخل دیتے تھے اور یہی مراد ہے حضرت ابن عباسؓ کی اس قول سے کہ انہ فقیہ (وہ فقیہ ہیں)۔)"

(فتاویٰ عزیزی مترجم، سعید اینڈ کمپنی کراچی، ص ۲۱۸، ۱۳۸۷ھ)

تاہم اگر اس اصول کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صحابہ کرام کلھم مجتہد تھے، تب بھی ان کے ہر قول و فعل پر اجتہاد کا اطلاق نہیں ہو سکتا، نہ ہر خطا پر اجتہادی خطا کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بعض افعال پر ماخوذ و محدود کیوں ہوتے اور ان پر توبہ و انابت کی نوبت کیوں آتی؟ بلکہ توبہ کا سوال ہی کیسے پیدا ہوتا؟ آخر جو فعل مبنی بر اجتہاد اور موجبِ اجر ہے، وہ اس کے ساتھ ہی قابلِ مواخذہ و تعزیر کیسے ہو سکتا ہے؟

پھر یہ بات میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس اجتہاد کو باعثِ اجر فرمایا ہے، اس کا اصل تعلق حکم حاکم سے ہے جو کسی حکمِ شرعی کو کسی جزئی مسئلے پر منطبق کرتے ہوئے صدور میں آیا ہو اور معارضِ نص یا قطعی البطلان نہ ہو۔ ورنہ تو ایک صحابی قرآنِ مجید کی ایک آیت سے استنباط کرتے ہوئے شراب کو حلال کر بیٹھے تھے جس پر حد جاری کی گئی تھی۔ اوپر جو شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول امیر معاویہؓ کے اجتہاد کے بارے میں نقل ہوا، اس کے بعد ذرا آگے شاہ صاحب امیر معاویہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس وقت آپ کا اجتہاد اس درجہ کا نہ تھا کہ آپ اہلِ حلّ وعقد میں شمار ہو سکتے اور علاوہ اس کے خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محققین کے نزدیک نص سے ثابت ہے[1]۔

کون سے امور مجتہد فیہ ہیں اور کس اجتہاد میں غلطی کے باوجود اجر ہے، اسے واضح کرنے کے لیے امام بخاری نے صحیح البخاری۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں دو مستقل باب باندھے ہیں۔ ایک کا عنوان ہے: اذا اجتہد العامل او الحاکم فاخطأ خلاف الرسول من غیر علم فحکمہ مردود لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد (جب عامل یا حاکم اجتہاد کرے اور اس میں بغیر علم کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف غلطی کرے، اس کا فیصلہ قابلِ رد ہے کیونکہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ جو ہمارے حکم کے خلاف عمل کرے وہ عمل مردود ہے)۔ اس کے بعد امام بخاری کے دوسرے باب کا عنوان ہے: اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطأ (حاکم کا اجر جب اس کا اجتہاد درست ہو یا غلط ہو)۔ بہرکیف یہ بات نہایت واضح ہے کہ ایک صحابی کے ہر قول وفعل پر نہ اجتہاد کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ ہر غلطی وہ اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے جو ازروئے حدیث موجب اجر وثواب ہے۔

حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرت معاویہؓ نے جو موقف اختیار کیا، اُسے حق بجانب ثابت کرنے کے لیے بعض اصحاب ان احادیث کا سہارا لیتے ہیں جن میں حضرت علیؓ کو ادنی الطائفتین من الحق کہا گیا ہے یا جن میں فئتین عظیمتین من المسلمین کا ذکر ہے۔ استدلال یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ کو حق سے قریب تر قرار دیا گیا،

---

[1] شاہ صاحب کا اشارہ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ ... تقتلک فئۃ باغیۃ ... وغیرہ ارشادات نبویہ کی جانب ہے، جیسا کہ ان کی اور ان کے والد ماجد کی دوسری تحریرات سے واضح ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ حضرت معاویہؓ کا گروہ بھی محاربت میں حق پر ہی ہوا، گو کہ قربِ الی الحق و اصوابیت بڑا لیکن یہ بات قطعی او رغیر مطابق ناقابل نہیں ہے۔ ایک فرد یا جماعت کی تعریف و توصیف اگر بصیغہ افعل التفضیل کی جائے تو اس سے بالمقابل فریق یا متقابل طرزِ عمل کی توصیف کا پہلو لازماً نہیں نکلتا، مثال کے طور پر سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۲ میں فرمایا کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ عدت پوری کریں تو انہیں نکاحِ ثانی سے نہ روکو۔ پھر فرمایا کہ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ (یہ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ طریقہ ہے)، اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر تم ان کے نکاح میں مزاحم ہو گے تو یہ بات بھی پاکیزہ و پسندیدہ ہو گی۔ اسی طرح سورۂ ہود (آیت ۷۸) میں حضرت لوطؑ اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اگر تم عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرو تو یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ (اَطْهَرُ لَكُمْ) ہے۔ کیا اس قول کا منشا یہ ہو سکتا ہے کہ دوسری غیر فطری عادتِ بد بھی کسی درجے میں طہارت کی حامل قرار دی جائے؟ اسی طرح سورۂ زخرف (۲۴) میں نبیؐ کی زبانی فرمایا گیا: قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ۔ اب یہاں انبیاءِ کرام پر نازل شدہ تعلیم کو اھدیٰ (زیادہ موجبِ ہدایت) قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مشرکین اور ان کے باپ دادا جس روش پر تھے وہ بھی کسی درجے میں ہدایت پر مبنی تھی۔ باقی رہی حضرت حسنؓ کے مناقب والی حدیث جس میں آپ کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کی بشارت ہے تو اس میں شک ہی کیا ہے کہ آنجناب کے مصالحانہ رویے سے ایک جھگڑا ختم ہوا جس کے دونوں فریق بلاشبہ مسلم و مومن تھے، لیکن اس حدیث میں کسی گروہ کے برسرِ حق یا ناحق ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

بہرکیف ایک قول یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور آپ کے ساتھیوں کی غلطی اجتہادی غلطی تھی، ایک قول یہ ہے کہ یہ خطا تھی مگر حدِ تفسیق کو نہیں پہنچتی، ایک قول یہ ہے کہ اس حد تک پہنچتی ہے۔ مولانا مودودی نے اس کے بین بین موقف اختیار کیا ہے کہ یہ اجتہادی غلطی نہیں، نیت کی خرابی بھی نہیں، محض غلطی ہے۔ یہ موقف قطعی طور پر احوط و اسلم ہے کیونکہ اس میں امیر معاویہؓ کے بارے میں اشارۃً و کنایۃً بھی فسق کا کوئی حکم نہیں لگایا گیا ہے۔ ان سارے اقوال کے قائلین اہلِ سنت ہی کے افراد، بلکہ ائمہ اہلِ سنت میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آج کل اہلِ سنت کی یہ کونسی قسم وجود میں آ گئی ہے جو ان اقوال میں سے کسی قول کو عدالتِ صحابہؓ کے منافی یا مسلکِ اہلِ سنت کے مخالف سمجھ رہی ہے۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ۔ کیا مدیرِ "البلاغ" اس بات سے بے خبر ہیں کہ احناف کی فقہ و اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ اصول

بھی درج ہے کہ غیر فقیہ راوی کی حدیث خلافِ قیاس ہوگی تو وہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔ پھر اس وضع کردہ اصول کی روشنی میں حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ جیسے جلیل القدر اور کثیر الروایہ صحابہ کرام کو غیر فقیہ قرار دے کر ان کی بعض نہایت صحیح و مرفوع احادیث کو ترک کر دیا گیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ان صحابہ کرام کو غیر فقیہ اور ان کی مرویات کو ناقابلِ قبول قرار دینا، الصحابۃ کلھم عدول و کلھم مجتہدون کے اس مفہوم سے نہیں ٹکراتا جس کا دعویٰ آپ کر رہے ہیں؟ کیا کوئی صحابی بیک وقت غیر فقیہ اور پھر مجتہد بھی ہو سکتے ہیں؟

توبہ و عفو کی غیر ضروری بحث

مدیر البلاغ نے یہ جو لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام سے بعض مرتبہ تقاضائے بشریت "دو ایک یا چند" غلطیاں سرزد ہو گئی ہوں لیکن تنبّہ کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، معلوم نہیں یہ بات لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس سے کیا ثابت کرنا مقصود ہے؟ کیا مولانا مودودی نے یہ بات کہیں بیان کی ہے کہ فلاں صحابی نے کسی غلطی پر توبہ نہیں کی، اللہ نے انہیں معاف نہیں فرمایا اور وہ اس غلطی اور عدم توبہ کی بنا پر (معاذ اللہ) عادل نہیں رہے؟ مولانا نے صرف غلطیاں اور ان کے تاریخی نتائج و عواقب بیان کر دیے ہیں۔ یہاں توبہ و معافی کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ بعض افعال ایسی اجتماعی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ تنبّہ اور توبہ کے باوجود ان کے اثرات مترتب ہو کر رہتے ہیں اور "خلافت و ملوکیت" میں جو کچھ بحث ہے اسی نقطۂ نظر سے ہے، ورنہ توبہ کا امکان تو ہر مسلمان کے لیے آخر وقت تک یقیناً موجود ہے۔ بلکہ شرک کے ماسوا ہر مسلمان کا ہر گناہ بلا توبہ بھی معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں صراحت فرما دی ہے۔ پھر عفو و مغفرت کے اس اصولی امکان کے علاوہ متعدد صحابہ کرام کی سچی توبہ کا بیان بھی قرآن و حدیث میں موجود ہے اور ساتھ ہی اُن غلطیوں کا بیان اور ان پر تبصرہ بھی موجود ہے جن پر توبہ کی گئی تھی۔ توبہ کے بعد بھی ان واقعات کی نشان دہی اور ان پر تنقید کتاب و سنت میں اس وجہ سے ضروری سمجھی گئی کہ دوسرے عبرت و نصیحت حاصل کریں اور بعد کے لوگوں نے بھی اسی غرض کے لیے انہیں بیان کیا۔ مثلاً پہلے درج ہو چکا کہ ابن حجرؒ نے جو کتاب خاص طور پر امیر معاویہؓ کے دفاع میں لکھی اُس میں بھی الصحابۃ کلھم

عدول سے آغاز کلام کرتے ہوئے یزید کی ولی عہدی پر سخت تنقید کی اور یہاں تک لکھا کہ اگرچہ حضرت معاویہؓ کو اللہ اس پر معاف فرما دے گا، مگر انہوں نے امت کو تباہی سے دوچار کر دیا اور جو شخص اس معاملے میں ان کی پیروی کرے گا آگ میں جائے گا! حضرت معاویہؓ نے جو محاربہ و مقاتلہ حضرت علیؓ کے خلاف کیا ہے اس پر عفو و توبہ کا امکان، یا بربنائے حسن ظن اس کا وقوع تسلیم کر لینے کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علیؓ کے مخالفین و منازعین میں سے دوسرے افرادِ صحابہؓ کا اپنے فعل پر ندامت و رجوع جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، ویسا حضرت امیر معاویہؓ سے ثابت و مذکور نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ تو جنگِ جمل کو یاد کر کے اتنا رویا کرتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی تر ہو جایا کرتی تھی یہی وجہ ہے کہ علمائے اہلِ سنّت نے اس فرق کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر عبدالکریم شہرستانی "الملل والنحل" میں امام ابوالحسن اشعریؒ کا قول یوں نقل فرماتے ہیں: قال لانقول فی عائشۃ وطلحۃ والزبیر الا انہم رجعوا عن الخطأ وطلحۃ والزبیر من العشرۃ المبشرین بالجنۃ ولا نقول فی معاویۃ وعمرو بن العاص الا انہما بغیا علی الامام الحق (الملل والنحل جلد اول ص۱۲۵ مکتبۃ الحسین، قاہرہ ۱۳۶۸ھ)۔

(امام الاشعری کا قول ہے کہ ہم عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی غلطی سے رجوع کر لیا اور طلحہؓ و زبیرؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ہم معاویہؓ اور عمروؓ بن عاص کے متعلق اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ انہوں نے امامِ حق کے خلاف بغاوت کی)۔

اب یہاں امام ابوالحسن جس طرح ایک فریق کے رجوع کا ذکر رہے ہیں اور دوسرے کا نہیں کر رہے، اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاص کا رجوع عن الخطا اس طرح ثابت نہیں ہے جس طرح حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا ثابت ہے؟

کیا تخویف و تحریض غلط الزام ہے البلاغ میں یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ "خلافت و ملوکیت" میں حضرت معاویہؓ کے متعلق مندرجات کو اگر درست مان لیا جاتے ... اگر یہ چارج شیٹ درست ثابت ہو جائے ..... اگر یہ تمام جرائم ان کے سر تھوپ دیئے جائیں، تو انہیں فسق سے کیسے بری کیا جا سکتا ہے؟ اس طرزِ بیان و اندازِ استفہام کا صاف مدعا یہ ہے گویا کہ امیر معاویہؓ کی جن غلطیوں کا ذکر اس کتاب میں ہے

وہ سب اپنے پاس سے گھڑ کر مصنف نے حضرت معاویہؓ کے سر منڈھ دی ہیں۔ میں اگرچہ ان میں سے ایک ایک چیز کا ثبوت نقل و عقل کے ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ پیش کر چکا ہوں، لیکن یہاں میں دوبارہ ان کا مختصر جائزہ لیے لیتا ہوں۔ عثمانی صاحب کے نزدیک اولین غلط الزام یہ ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کے لیے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لی، رشوتیں دیں اور قتل کی دھمکیاں دیں۔ اب میں ان کے والد صاحب اور دوسرے علماء و مؤرخین کے اقوال درج کرنا شروع کر دوں تو بات بھی لمبی ہو گی اور شاید انہیں تاریخی روایات کہہ کر ان سے اعراض کیا جائے گا۔ اس لیے میں صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ خندق کی ایک حدیث مع ترجمہ یہاں دیتا ہوں:

عن ابن عمر قال دخلت علی حفصۃ ونسواتها تنطف، قلت قد کان من امر الناس ما ترین فلم یجعل لی من الامر شیء۔ فقالت الحق بہم فانہم ینتظرونک و اخشی ان یکون فی احتباسک عنہم فرقۃ۔ فلم تدعہ حتی ذہب۔ فلما تفرق الناس خطب معاویۃ قال من کان یرید ان یتکلم فی ہذا الامر فلیطلع لنا قرنہ ولنحن احق بہ منہ ومن ابیہ۔ قال حبیب بن مسلمۃ فہلا اجبتہ؟ قال عبداللہ فحللت حبوتی وہممت ان اقول احق بہذا الامر منک من قاتلک وایاک علی الاسلام۔ فخشیت ان اقول کلمۃ تفرق بین الجمع وتسفک الدم ویحمل عنی غیر ذالک۔ فذکرت ما اعد اللہ فی الجنان۔ قال حبیب حفظت وعصمت۔

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے غسل کیا تھا اور پانی کے قطرے ان کے بالوں سے گر رہے تھے۔ میں نے حفصہؓ سے کہا کہ لوگوں کا حال آپ دیکھ رہی ہیں۔ میرا امارت و خلافت کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں رہنے دیا گیا۔ وہ بولیں: آپ جائیں تو سہی، لوگ آپ کے انتظار میں ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ آپ اگر وہاں نہ گئے تو تفرقہ پیدا ہو گا۔ حضرت حفصہؓ نے حضرت ابنِ عمرؓ کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ وہ بھی اجتماع میں چلے نہ گئے۔ جب لوگ جدا جدا ٹکڑیوں میں بیٹھ گئے تو امیر معاویہؓ نے تقریر

کرتے ہوئے کہا کہ جو شخص بھی امارت یا ولی عہدی کے معاملے میں زبان کھولنا چاہتا ہے، وہ ذرا اپنا سینگ تو اونچا کر کے دکھائے ہم اس سے اور اس کے باپ سے بھی زیادہ امارت کے مستحق ہیں۔ حبیب بن مسلمہ (جو حضرت ابن عمرؓ سے یہ رُوداد سن رہے تھے) نے پوچھا کہ آپ نے کوئی جواب امیر معاویہؓ کو نہ دیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں نے اپنی چادر ڈھیلی کی تھی اور ارادہ کیا تھا کہ مَیں ان سے کہوں: "تم سے زیادہ حقدار امارت کا وہ ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ ابوسفیان سے اسلام کی خاطر قتال کیا۔ پھر میں ڈر گیا کہ میری بات سے تو اور زیادہ تفرقہ پیدا ہوگی، حتیٰ کہ خونریزی تک نوبت جا پہنچے گی اور میری بات سے کوئی دوسرا ہی مطلب اخذ کیا جائے گا پس میں نے جنت میں اپنے اجر کو یاد کیا (اور خاموشی برتی)۔ حبیب کہنے لگے کہ آپ نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ بچا لیا۔"

اس روایت کو بعض محدثین نے واقعہ تحکیم اور بعض نے بیعتِ یزید سے متعلق قرار دیا ہے۔ بہرکیف دونوں میں سے جو صورت بھی ہو، اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ امیر معاویہؓ ایک مجمع کو خطاب کر رہے تھے اور تہدید و تخویف کے انداز میں فرما رہے تھے کہ ہم خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، ہمارے سامنے کون ہے جو سر اٹھائے؟ اس پر حضرت ابن عمرؓ جواب دینے سے رک گئے اور یہ جانتے ہوئے رُک گئے کہ میرے جواب کو غلط معنی پر محمول کر کے مجھے بھی مدعیٔ خلافت سمجھ لیا جائے گا اور تلوار کشی اور خون خرابے تک معاملہ جا پہنچے گا۔ پھر اس کے بعد حبیب جو امیر معاویہؓ کے خاص رفقاء میں سے تھے اور سارے حالات سے پوری طرح باخبر تھے، ان کا حضرت ابنِ عمرؓ سے یہ کہنا کہ آپ تو بچ گئے اور محفوظ ہو گئے، ورنہ بات کرتے تو شامت بلاتے، یہ پورا سلسلۂ گفتگو آخر کس سنگین صورتِ حالات پر دلالت کر رہا ہے؟

اس کے بعد بھی شاید مولانا عثمانی صاحب تو یہی کہیں گے کہ "خوف و طمع کے ذرائع" استعمال کرنے کا الزام پہلے غم مولانا مودودی نے گھڑا ہے؟ اسی لیے انہوں نے ولی عہدیٔ یزید پر بحث کے دوران میں ایک واقعہ امیر معاویہؓ سے اور حضرت سعید بن عثمانؓ کی گفتگو کا وہ حصہ تو نقل کر دیا تھا جس میں یزید کو ولی عہد بنانے کی شکایت تھی لیکن وہ حصہ حذف کر دیا تھا جس میں یہ مذکور تھا کہ اس شکایت کے جواب میں حضرت سعید کو خراسان کی گورنری دے دی گئی تھی۔

(باقی)

فقر و فاقہ اور اس کا اسلامی حل

شیخ یوسف القرضاوی ـــ ترجمہ و تلخیص: عبدالحمید صدیقی

فقر و فاقہ کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر فقر و فاقہ اور مفلسی کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ مختلف گروہوں نے اس معاملہ میں کیا موقف اختیار کیے ہیں۔ سطورِ ذیل میں ہم انہیں واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

ترکِ دنیا کے قائلین ان میں سے ایک گروہ تارکِ الدنیا لوگوں کا ہے جن کا خیال یہ ہے کہ فقر و فاقہ کوئی ایسی بُرائی نہیں جس سے پیچھا چھڑانے کی فکر کی جائے اور نہ یہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جو حل طلب ہو بلکہ یہ ایک نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو نوازتا ہے تاکہ آخرت کا تصور اُن کے دل پر ہمیشہ نقش رہے اور وہ دنیا سے بے تعلق ہو کر یادِ الٰہی میں منہمک رہیں۔ اس کے برعکس خوشحالی اور دولت مندی ایسی چیز ہے جو انسان کو خدا سے بغاوت پر آمادہ کرتی ہے۔ اس گروہ میں سے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دنیا سراپا فتنہ و فساد ہے اور خیر اسی میں ہے کہ یہ جلد از جلد ختم ہو جائے یا کم از کم اس دنیا میں انسان کی مدتِ قیام بالکل مختصر ہو جائے۔ لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے مرغوبات سے صرف اتنا ہی فائدہ اٹھایا جائے کہ انسان پر عرصۂ حیات تنگ نہ ہو۔

بُت پرستانہ مذاہب اور بعض بگڑے ہوئے آسمانی مذاہب میں بھی عُسرت و تنگدستی کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے کیونکہ یہ جسمانی ایذا کا ایک ذریعہ ہے اور جسمانی ایذا روحانی ارتقاء کا ایک وسیلہ ہے۔ ایسے خیالات مسلمان صوفیوں کے بعض گروہوں میں اس وقت رائج ہوئے جب اسلامی ثقافت میں اجنبی ثقافتوں کی ملاوٹ ہو گئی۔ اس طرح سے مذاہب کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ فقر و فاقہ کو دیکھ کر کہو اے نیکوکاروں کے شعار!

مرحبا!! اور دولت مندی و امارت کو دیکھ کر کہو: یہ ایک گناہ ہے جس کی سزا جلد ہی مل جائے گی۔

فقر و فاقہ کے متعلق یہ نقطۂ نظر جن لوگوں کا ہے اُن سے یہ توقع رکھنا بالکل فضول ہے کہ وہ فقر و فاقہ کے مسئلے کا کوئی حل پیش کریں گے۔ درآنحالیکہ وہ فقر و فاقہ کو سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں سمجھتے۔

جبریہ دوسرا گروہ جبریوں کا ہے جو کہتا ہے کہ فقیر کی عسرت و تنگ دستی اور دولتمند کی ثروت و خوشحالی میں اللہ کی مشیئت کار فرما ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو دولتمند کر دیتا۔ لیکن وہ کسی کو رزقِ فراواں دیتا ہے تو کسی کو بالکل کم، تاکہ وہ اس طرح لوگوں کو آزمائے۔ اِس قضائے الٰہی اور حکمِ ربی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ یہ لوگ عسرت و تنگدستی کا جو علاج پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ فقراء و مساکین کو راضی برضا رہنے، مصیبت پر صبر کرنے اور اللہ نے جو کچھ بھی انہیں دیا ہے اُسی پر قناعت کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جس کو فنا نہیں اور ایسی دولت ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ قناعت کا مفہوم اُن کے نزدیک ہر حال میں راضی برضا رہنا ہے۔ مگر یہ گروہ مال داروں سے کوئی تعرض نہیں کرتا کہ اُن کو بھی کوئی وعظ و تلقین کرے۔ وہ تو صرف فقراء و مساکین کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی جو تقسیم کی ہے اس پر راضی ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نہیں دیا ہے اس سے بڑھ کر نہ کچھ مانگو اور نہ اپنی حالتِ فقر و مسکنت کو بدلنے کی کوشش کرو۔

انفرادی احسان کے قائلین تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو انفرادی احسان کے قائل ہیں۔ یہ فقر و عسرت کو ایک حل طلب مسئلہ سمجھتے ہیں اور صرف فقراء و مساکین ہی کو صبر و رضا اور قناعت کی تلقین نہیں کرتے بلکہ اہلِ ثروت کو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین اجر و ثواب کا وعدہ سنا کر فقراء و مساکین پر اپنے مالوں سے صدقہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ نیز غرباء و فقراء سے بے مہری کا سلوک کرنے والوں کو بُرے انجام اور عذابِ دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ مگر فقر و عسرت کے مسئلے کے اس حل میں دولت کی کوئی مقدار معیّن نہیں ہے جو دولتمندوں پر واجب ہو کہ وہ فقراء و مساکین کو ادا کریں، نہ اس میں فقراء کی اعانت سے پہلو تہی کرنے والوں کے لیے کوئی خاص سزا مقرر ہے اور نہ کوئی ایسے قواعد و ضوابط ہیں جو اس بات کی ضمانت دیں کہ اس قسم کی امداد مستحقین تک پہنچ جائے۔ بلکہ سارا اعتماد

مومنین اور محسنین کی محض رضا پر کیا گیا ہے جو اللہ کی طرف سے ثواب کی اُمید رکھتے ہیں اور عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہوں۔ فقر و عسرت کو دُور کرنے کے لیے انفرادی احسان کا یہ نظریہ قرونِ وسطیٰ میں رائج تھا۔

سرمایہ داروں کا نقطۂ نظر | چوتھا گروہ سرمایہ داروں کا ہے جو کہتے ہیں کہ فقر و فاقہ زندگی کی برائیوں میں سے ایک بُرائی اور مسائلِ حیات میں سے ایک اہم مسئلہ تو ضرور ہے مگر اس بُرائی کے ذمہ دار یا تو خود نادار لوگ ہیں یا پھر تقدیرِ الٰہی۔ سوسائٹی یا حکومت اس کی ذمہ دار نہیں۔ ہر شخص اپنی ذات کا خود کفیل ہے اور ہر ایک اپنے مال کو خرچ کرنے میں بالکل آزاد۔ کسی کو محنت و کوشش کر کے مالدار بن جانے سے کوئی نہیں روکتا۔ حصولِ زر کی اس دَوڑ میں جو پیچھے رہ جائے، سوسائٹی اس کی بالکل ذمہ دار نہیں ہے اور دولتمند لوگ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ اس کی مدد کریں۔ ہاں اگر وہ ازراہِ مہربانی و شفقت یا کسی مصلحت کی بنا پر یا آخرت کو مانتے ہوں تو اس کے ثواب کی خاطر غریب کی مدد کریں تو اُن کی مرضی۔ یہ خالص سرمایہ دارانہ نظریہ تھا جسے آزاد معیشت کے فلسفے نے جنم دیا اور یورپ میں اسے قبولِ عام حاصل ہوا۔ مغربی معاشرے میں اس سرمایہ داری نے خود غرضی، انانیت، بے رحمی اور کمزور کے استحصال کو حد سے بڑھا دیا جس کی وجہ سے عورتوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو مجبور ہو کر نہایت قلیل اُجرت پر مزدوری کرنے کے لیے نکل کھڑا ہونا پڑا تاکہ وہ جنگل کے اس معاشرے میں فنا ہو کر نہ رہ جائیں۔ پھر جب مختلف انقلابات اور دو عالمگیر جنگوں سے حالات کچھ تبدیل ہوئے اور اشتراکی افکار و نظریات نے زور پکڑا تو ظالم و جابر سرمایہ داری اپنے موقف میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے مجبور ہو گئی اور اُس نے ناداروں اور محتاجوں کے حق کو تسلیم کرنا شروع کر دیا جو رفتہ رفتہ حکومت اور مختلف قوانین کی مداخلت سے اب اُس حد تک پہنچا ہے جسے "اجتماعی انشورنس" اور "اجتماعی تحفظ" سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اشتراکیت | پانچویں گروہ یعنی مارکسی اشتراکیت کے علمبرداروں کا خیال ہے کہ فقر و محتاجی کا خاتمہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب دولتمند طبقے کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے اور اُن کے مال و دولت کو ضبط کر لیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سوسائٹی میں مختلف طبقوں کو دولتمند طبقے کے خلاف بھڑکانا اور اُن کے دلوں میں سرمایہ داروں کے خلاف حسد اور کینے کا بیج بونا اور طبقاتی کشمکش کو ہوا دینا بہت ضروری ہے

"تاکہ مزدوروں کا طبقہ جسے "پرولتاری" کہا جاتا ہے، غالب آجائے۔ اس نظریہ کے علمبردار دولتمند طبقے کے خاتمے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ "ذاتی ملکیت" کے بھی خلاف ہیں اور پیدائش دولت کے سب ذرائع مثلاً زمین، کارخانے اور مشینوں وغیرہ کو حکومت کی تحویل میں دے دینے کے حامی ہیں کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں میں اگرچہ بعض اختلافات ہیں، مگر "ذاتی ملکیت" کو سب برائیوں کا منبع سمجھنے اور اس کے خلاف کھڑے ہو جانے میں سب ایک ہیں۔ بعض اس کے خلاف نبرد آزما ہونے میں جمہوری طریقے اختیار کرنے کے قائل ہیں اور بعض تشدد کے ذریعے جارج بارگن اور پیرالبیر اپنی کتاب "یہ ہے اشتراکیت" میں رقم طراز ہیں کہ بعض اشتراکیوں کا خیال ہے کہ اشتراکیت فرد کی آزادی و احترام آدمی سے عبارت ہے، جبکہ کچھ دوسرے لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اشتراکیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قوم کے سارے وسائل پیداوار پر قبضہ کر کے مزدور طبقہ کی ڈکٹیٹر شپ قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ میکسم لوروا اپنی کتاب "فرانسیسی اشتراکیت کے علم بردار" میں کہتا ہے کہ اشتراکیت کی کئی قسمیں ہیں۔ بالوف کی اشتراکیت پرودُن کی اشتراکیت سے کافی مختلف ہے۔ سان سیمون اور پراُدن کے اشتراکی ڈھانچے بلانکے کی اشتراکیت سے نمایاں طور پر مختلف ہیں۔ اور یہ سارے تصورات لوئس بلان، فیورباخ اور بیکر وغیرہ کے افکار سے ہم آہنگ نہیں۔ غرض اشتراکیوں کے ان فرقوں کے درمیان شدید ترین اختلافات موجود ہیں لیکن وہ قدرِ مشترک جو ان سب اشتراکی ڈھانچوں میں پائی جاتی ہے اور وہ واحد مقصد جو ان سب کو منظم کر کے ایک دوسرے کے قریب کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ ذاتی ملکیت کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے جو معاشرے میں ہر قسم کے ظلم و جبر کو جنم دیتی ہے۔

اشتراکیت اور کمیونزم میں بالکل معمولی فرق ہے۔ دونوں کی بنیاد زندگی کے بارے میں انسان کا مادی نقطۂ نظر ہے۔ دونوں مذہب کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کو معاشرے سے الگ تھلگ رکھنے کے حامی ہیں۔ دونوں لادینی ریاست کے قیام کے داعی ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دونوں تشدد اور خون ریزی کو جائز سمجھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ دونوں حالات کو تبدیل کرنے کے لیے پرامن ذرائع اختیار نہیں کرتے بلکہ زور زبردستی سے اس مقصد کو حاصل کرتے ہیں۔

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام فقر و فاقہ کے بارے میں تارک الدنیا لوگوں کے نقطۂ نظر کی صاف تردید کرتا ہے۔ قرآن کی ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی کوئی ایک بھی صحیح حدیث ان کے نقطۂ نظر کی تائید نہیں کرتی۔ دنیا سے بے رغبتی کی تعریف میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں انہیں فقر و فاقہ کے قابلِ تعریف ہونے کی تائید میں پیش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ زہد و بے رغبتی اس چیز کی ملکیت کی مقتضی ہے جس سے بے رغبتی ظاہر کی جاتے۔ اور زاہد دراصل وہ ہے جو دنیاوی مال و جاہ رکھتا ہو مگر اس مال و جاہ کی محبت سے اس کا دل بالکل خالی ہو۔ اسلام دولتمندی کو بشرطیکہ وہ حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو، اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت قرار دیتا ہے جس پر اللہ کا شکر کرنا واجب ہے۔ اور فقر و فاقہ کو ایک ایسی مصیبت کہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ پھر معاشرے سے اس کو دُور کرنے کے لیے وہ مختلف طریقے بتاتا ہے۔

بہتر ہو گا اگر ہم یہاں ذکر کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا کو بھی دولت مند کر کے احسان فرمایا تھا۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں وارد ہے۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ۔ (اس اللہ نے آپ کو تنگ دست پایا پھر آپ کو غنی کر دیا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے نعم المال الصالح للمرء الصالح۔ (بہترین صالح مال وہ ہے جو کسی صالح آدمی کے پاس ہو)۔ احادیثِ نبویؐ میں فقر و فاقہ کو ایک بہت بڑی آفت سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے بُرے اثرات سے فرد، سوسائٹی، عقیدہ و ایمان، اخلاق و کردار اور فکر و ثقافت وغیرہ محفوظ نہیں رہ سکتے۔ بلاشبہ فقر و فاقہ اور تنگ دستی انسان کے عقیدہ و ایمان کو آزمائش میں ڈال دیتی ہے، خاص طور پر وہ تنگ دستی جس کے پہلو بہ پہلو بعض لوگ بے حد مال دار ہوں اور بے چارہ غریب و تنگ دست تو محنت و مزدوری کر رہا ہو اور سرمایہ دار بیکار بیٹھا ہو۔ ایسے حالات میں فقر و فاقہ انسان کو کائنات کی خدائی تنظیم کی حکمت کے بارے میں اور دولت کی خدائی تقسیم کے مبنی بر انصاف ہونے کے بارے میں شک و شبہ میں ڈال دیتا ہے۔

فقر و فاقہ کے پیدا کردہ انحرافِ عقیدہ و ایمان کے پیشِ نظر ہی بعض بزرگوں نے کہا ہے۔

"جب فقر و فاقہ کسی علاقے کا رخ کرتا ہے تو کفر اس سے کہتا ہے کہ مجھے بھی ساتھ لے چل"۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "قریب ہے کہ غریبی اور فاقہ کشی کفر بن جائے"۔ آپؐ کی یہ دعائیں بھی ظاہر کرتی ہیں کہ انتہائی تنگ دستی واقعی کفر و ضلالت کی طرف لے جا سکتی ہے۔

(۱) اللّٰھم انی اعوذبک من الکفر و الفقر۔ اے اللہ! میں کفر اور فقر و فاقہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(۲) اللّٰھم انی اعوذبک من الفقر والقلۃ والذلۃ (ابوداؤد، نسائی و ابن ماجہ) اے اللہ! میں فقر و فاقہ، قلت اور ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

فقر و فاقہ اخلاق و کردار کے لیے بھی کچھ کم خطرناک نہیں۔ کسی غریب اور تنگ دست کو اس کی بدحالی اور محرومی بعض دینی اور دنیاوی معاملات میں غیر شریفانہ اور اخلاق سے گرا ہوا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ معدے کی آواز ضمیر کی آواز سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس سے بھی زیادہ بُری بات یہ ہے کہ یہ حرماں نصیبی خود اخلاقی اقدار کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب و تنگ دست پر اس کی غربت و تنگ دستی کے دباؤ کی شدت اور اس کے کردار پر اس کے اثرات کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

خذوا العطاء ما دام عطاءً، فاذا صار رشوۃ علی الدین فلا تاخذوہ ولستم بتارکیہ تمنعکم الحاجۃ والفقر۔ عطیہ جب تک عطیہ رہے تو لے لو اور جب وہ دین کے خلاف رشوت بن جائے تو ہرگز نہ لو۔ مگر تم اسے چھوڑتے نظر نہیں آتے۔ کیونکہ حاجت اور تنگ دستی تمہیں اس کے چھوڑنے سے روکتی ہے۔

ایک قرضدار پر اس کا قرض اخلاقی اعتبار سے کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟ اس ضمن میں آپؐ کا ارشاد ہے "جب کوئی شخص قرض لیتا ہے تو وہ بات کرنے میں جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے"۔ آپؐ کا یہ ارشاد اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فقر و غنا اور اوصاف حمیدہ و انسانی ذیل میں کیا تعلق ہے۔ ایک شخص نے رات کے وقت صدقہ کیا۔ اتفاق سے وہ صدقہ ایک چور پر ہو گیا۔ لوگ

اس بارے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ پھر اس شخص نے ایک عورت پر صدقہ کیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ عورت زناکار نکلی۔ لوگ اس بارے میں پھر چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ اس شخص نے آج رات ایک زناکار عورت پر صدقہ کیا ہے۔ صدقہ کرنے والے کو ایک رات خواب میں ایک شخص نے کہا "تم نے چور پر جو صدقہ کیا ہے، ہو سکتا ہے وہ اُسے چوری سے روک دے۔ اور جو صدقہ تم نے ایک زانیہ پر کر دیا ہے، ہو سکتا ہے وہ اُس عورت کو زنا سے روک دے" اس سے ظاہر ہوا کہ مال آجانے سے ایک چور چوری سے رُک سکتا ہے اور ایک زانیہ عورت زنا سے باز رہ سکتی ہے۔

انسان کے عقیدہ و ایمان اور اخلاق و کردار کے علاوہ فقر و فاقہ انسان کے فکر و فہم کے لیے بھی خطرناک ہے۔ ایک تنگ دست آدمی جسے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے ضروریاتِ زندگی میسر نہیں کس طرح کوئی گہری بات سوچ سکتا ہے؟ امام محمد بن حسن شیبانی کے متعلق روایت ہے کہ ایک روز اُن کی ملازمہ نے انہیں کسی علمی مجلس میں اطلاع دی کہ "گھر میں آٹا ختم ہو گیا ہے" آپ نے اُسے فرمایا: "اللہ تجھے غارت کرے۔ تو نے میرے دماغ سے فقہ کے چالیس مسائل ضائع کر دیئے" امام اعظم سے بھی روایت ہے کہ جس کے گھر میں آٹا نہ ہو اس سے مت مشورہ طلب کرو" کیونکہ وہ شخص پریشان فکر ہوتا ہے اس کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ نفسیات اس بات کی تصدیق یوں کرتی ہے کہ کوئی شدید جذبہ انسان کی سلامتی فکر اور صحتِ رائے پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں بھی وارد ہے کہ "قاضی جب غم و غصہ کی حالت میں ہو تو وہ ہرگز کوئی فیصلہ نہ کرے" اس حدیث پر قیاس کرتے فقہاء نے بھوک اور پیاس کی شدت کو بھی اسی ذیل میں شامل کیا ہے۔

فقر و تنگ دستی عائلی زندگی کے لیے بھی کئی پہلوؤں سے خطرناک ہے۔ عائلی زندگی کی تشکیل میں فقر و فاقہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو نکاح اور مہر اور نان نفقہ کی ذمہ داریوں میں بسا اوقات حائل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے تنگ دست اور فاقہ مست نوجوانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ صبر اور پاکیزگی کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھیں حتیٰ کہ وہ معاشی طور پر ٹھیک ہو جائیں۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (النور: ۳۳) "اور بچتے رہنا چاہیے اُن کو

جو نہیں پاتے سامان نکاح کا یہاں تک کہ غنی کر دے اللہ اُن کو اپنے فضل سے":

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نوجوان لڑکیاں اور اُن کے اولیا کسی ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے گریز کرتے ہیں جو بد حال اور کم مال ہو۔ یہ ایک پرانی بیماری ہے جس کا قرآن نے نوٹس لیا ہے اور والدین کو نصیحت کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے رشتے تلاش کرنے میں اپنے معیار کو بدلیں۔ اور صرف مالداری کے بجائے خیر و صلاح بنیاد قرار دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (النور: ۳۲)	اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے میں سے اور نیک غلاموں اور کنیزوں کا۔ اگر وہ ہوں گے محتاج تو غنی کر دے گا ان کو اللہ اپنے فضل سے اور اللہ بڑا وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

بعض اوقات عسرت و تنگدستی میاں بیوی میں تفرقی کا باعث بن جاتی ہے۔ اسی طرح فقر و فاقہ اکثر اوقات کسی کنبے کے افراد کے باہمی تعلقات کو خراب کر دیتا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ اُن کے رشتہ محبت و مودت کو منقطع کر دے۔ عرب جاہلیت میں بعض والدین تنگدستی و محتاجی کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا آنے والی تنگ دستی کے خوف سے اپنے جگر گوشوں کو مار ڈالتے تھے۔ قرآن مجید نے ایسے والدین کی پُر زور مذمت کی ہے اور بڑے بلیغ انداز میں اُن کو تنبیہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۔ (الانعام: ۱۵۱)	اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے ہم ہی رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو۔
(۲) وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل: ۳۱)	اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو ڈر کر مفلسی سے ہم ہی رزق دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ اولاد کو شرکِ اکبر کے بعد سب سے بڑا جرم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے

فرمایا " یہ کہ تو کسی اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ تجھے پیدا اس نے کیا ہے۔ پوچھا گیا " پھر کون سا ؟ آپ نے فرمایا " یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی "

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے انسانی کردار پر معاشی عوامل کے اثر کو تسلیم کیا ہے۔ نیز یہ عوامل بعض اوقات انسان کے فطری جذبات سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں مثلاً جو شخص اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل کر دیتا ہے وہ معاشی بدحالی کے زیرِ اثر شفقتِ پدری کے جذبے کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے مگر ایسی مثالیں بہت کم ہیں جو ہر جگہ ہر زمانے اور حالات میں ہر شخص کے کردار کا معیار و مقیاس قرار نہیں دی جا سکتیں بلاشبہ انسانی کردار کے اچھے یا بُرا ہوتے میں بعض دوسرے عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مثلاً نفسیاتی، دینی، اخلاقی اور اجتماعی عوامل۔ مگر یہاں ہمارے پیشِ نظر صرف وہ عامل ہے جو انسان کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ محض جہالت اور بے وقوفی سے اپنی اولاد کو قتل کر دے۔

سب سے بڑھ کر فقر و فاقہ سوسائٹی کے امن و سلامتی کے لیے خطرناک ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ " میں حیران ہوں کہ جس شخص کے گھر میں کھانے کے لیے خوراک نہیں وہ کس طرح اپنی تلوار سونت کر لوگوں کے خلاف نکل کھڑا نہیں ہوگا "۔ آدمی فقر و فاقہ پر اس وقت تو صبر کر لیتا ہے جب یہ سائل رزق کی کمی اور افراد کی زیادتی سے پیدا ہو گئی ہو۔ مگر جب اس کا سبب وسائلِ رزق کی غلط تقسیم، اور مالداروں کی غریب طبقہ پر ظلم و زیادتی ہو اور سوسائٹی میں اکثریت کے مفاد کو نظر انداز کر کے اقلیت گلچھرے اڑا رہی ہو تو پھر غریب طبقہ میں فقر و فاقہ کے باعث اضطراب و اشتعال پیدا ہوتا ہے اور لوگوں میں باہمی اخوت و محبت کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔

فقر و تنگ دستی کسی قوم کی قیادت و سیادت اور اس کی آزادی و استقلال کے لیے بھی حد درجہ خطرناک ہے۔ ایک تنگ دست و بدحال شخص کے دل میں اپنے وطن و قوم کے دفاع کا جوش و جذبہ بالکل پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا وطن اس کی بھوک دور نہیں کرتا اور اس کی قوم اُسے بدحالی و غربت سے نکالنے میں دست تعاون نہیں بڑھاتی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دفاعِ قوم و وطن کا فرض تو ایک غریب آدمی پر عائد کیا جائے۔ اور عیش و تنعم کی زندگی کچھ دوسرے لوگ بسر کریں ؟

علاوہ ازیں فقر و فاقہ انسان کی جسمانی صحت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی نفسیاتی صحت پر اثر انداز ہو کر اس کے مزاج میں تنگ دلی، چڑچڑاپن اور غم و غصہ پیدا کر دیتا ہے جو اس کی قوتِ کار کم کر کے اسے معاشی طور پر کمزور کر دیتے ہیں۔ (باقی)

عالمِ اسلام

جناب خلیل حامدی صاحب

"اب مدد کے لیے فرشتے نہیں نازل ہوں گے" شام میں بار بار یہ بحث چھڑی جا رہی ہے کہ بدر واحد کی جنگوں میں لشکر اسلام کی مدد کے لیے جو فرشتے نازل ہوتے تھے کیا فی الواقع وہ فرشتے جنگ میں شریک ہوتے اور انہوں نے کفار کو ضربیں لگائیں یا ان فرشتوں نے صرف معنوی حیثیت سے مسلمان سپاہیوں کو تقویت پہنچائی۔ اس بحث میں بعض شامی پروفیسر اس رائے کا اظہار بھی کر رہے ہیں کہ اُس وقت یہ فرشتے خواہ مادی امداد کے لیے اُترے تھے یا معنوی تقویت کے لیے آج یہ فرشتے نازل نہیں ہوں گے۔ بلکہ اب سپاہیوں کو اپنے دست و بازو کی مدد سے دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ڈاکٹر صادق العظم نے بھی اپنی کتاب نقد الفکر الدینی میں اس عقیدے کا تمسخر اڑایا ہے کہ جنگ میں فرشتے اُتر کر سپاہیوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس بحث کو ترقی پسند عناصر جگہ جگہ عام کر رہے ہیں۔ ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عرب مجاہدین کے حوصلوں کو پست کیا جائے۔ اور مادی پہلو کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور معنوی پہلو میدان جنگ میں جو کردار ادا کر سکتا ہے اُس سے مسلمان سپاہی کو محروم کر دیا جائے۔

فرعونیت پر مصر کو فخر حاصل ہے مصر میں جریدہ "روزہ الیوسف" اور "المصور" کی تحریریں اور مجلہ "الکاتب" کے مقالات اور الاتحاد الاشتراکی کی سرگرمیاں مذہبی احساسات کو برابر مجروح کر رہی ہیں۔ دار الہلال کی طرف سے ابھی ابھی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "شخصیت مصر"۔ اس کا مصنف ڈاکٹر جمال حمدان ہے اور اس میں مصری باشندوں کی عبقریت کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ مصنف نے ہیگل کے فلسفہ "جدلیت" کے تحت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مصر کے باشندے، مصر کی سرزمین، ثقافت اور معتقدات کی اصلیت "فرعونیت" پر قائم ہے۔ چنانچہ مصنف یہ دعویٰ

کرتا ہے کہ مصر کی طویل تاریخ یہ بتاتی ہے کہ قدرتی طور پر مصر دو صفتوں سے متصف ہے۔ ایک طرف سرکشی اور تشدد کی صفت اور دوسری طرف مسکنت اور خوشامد کی صفت۔ اس قدرتی صفت کا ماخذ مصنف نے دریائے نیل کو قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ دریائے نیل کی طغیانیاں گو ہلاکت خیز ہیں مگر مصر کی شادابی بھی اس کی طغیانیوں کی مرہون منت ہے۔ چنانچہ مصری مٹی کی یہ خاصیت اس کے باشندوں کے خمیر میں بھی شامل ہے۔ مصنف اس کا نتیجہ یہ نکالتا ہے کہ مصر کی طبعی خاصیت یہ تقاضا کرتی ہے کہ ملک کے اندر مضبوط اور سخت گیر حکومت وجود میں آئے اور وہ اگر سرکش بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عوام پر لازم ہے کہ وہ بخوشی اپنی بیشتر آزادیوں سے دستبردار ہو کر برتر نظام کے آگے سر تسلیم خم کر دیں جو تمام باشندوں کے اندر انصاف کو مساویانہ طور پر تقسیم کرے، جس طرح نیل کی طغیانی پانی کو مساویانہ تقسیم کر جاتی ہے۔ مصنف اسی نظریے کے تحت یہ بھی ثابت کر جاتا ہے کہ اگر فرعون نے یہ دعویٰ کر دیا تھا کہ میں خدا ہوں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ دریا کا یہی خاصا ہے۔ مصنف کی فرعون پرستی یہاں تک جوش مارتی ہے کہ وہ برملا کہہ دیتا ہے کہ ہمارے ماضی کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جس سے ہم برات کا اظہار کریں اور نہ حال کے اندر کوئی ایسی قباحت پائی جاتی ہے جس سے ہم نادم ہوں۔ جمال حمدان مصری عوام کے دلوں میں یہ بات اتارنا چاہتا ہے کہ اگر تم خالص مصری الاصل ہو تو تمہیں اس آمرانہ نظام پر نہ صرف صبر و شکر کرنا چاہیئے جو اس وقت تمہاری گردنوں پر سوار ہے بلکہ اسے تاریخ کا تقاضا، فطرت کا فیصلہ اور جدلی مادیت کا مظہر سمجھنا چاہیئے بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ تمہارے محبوب دریائے نیل کی طلب ہے۔ اور دریائے نیل کی طغیانی ہزار ہا برس سے انسانی قربانی کی رسیا چلی آرہی ہے۔

دنیا کے قومی لیڈر اور اہل قلم تو اپنے ہم وطنوں کو حریت اور ترقی کا درس دیتے ہیں مگر یہ مصری مصنف اپنی قوم کو غلامی اور مسکنت اور بے حوصلگی کا سبق دے رہا ہے

اسلامی معاشرے کی تضحیک کویت کے مجلۃ العربی نے اپنے ادبی و طباعتی معیار کا سکہ تمام عرب دنیا سے منوا رکھا ہے۔ اس کی ماہانہ اشاعت ۵ لاکھ تک پہنچ گئی۔ فکری طور پر یہ پرچہ نوجوان ذہن

کے اندر عرب قوم پرستی، آوارگی اور آزاد خیالی کے نقوش کندہ کر رہا ہے۔ پہلے اس نے علامہ اقبال پر تنقید کی۔ اور پھر صحیح بخاری کو اپنی تنقید کا ہدف بنا لیا۔ اور بخاری کی احادیث کے بارے میں تشکیک کی ہوا برپا کر دی۔ مگر علمائے عرب نے اس کا مسکت جواب دیا۔ اب اُس نے پھر اسلامی شعائر کے لئے بینے شروع کر دیئے ہیں، اور عورت کے اسلامی پردہ کو "غیر اسلامی" ثابت کرنا شروع کر دیا ہے اور اس کی آڑ میں اسلامی معاشرت کے بہت سے پہلو مجروح کیے جا رہے ہیں۔ عرب علماء کی طرف سے گو اس نئے فتنے کا بھی سدِباب کرنے کی کوشش ہو رہی ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عرب مفکرین اُن صہیونی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے بجائے جو عربوں کی طاقت کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہی ہیں اسلام اور اسلامی شعائر سے نوجوانوں کو برگشتہ کرنے کی مہم کیوں چلا رہے ہیں؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ ان کا یہ رویہ بھی دانستہ یا نادانستہ کسی صہیونی اسکیم کا شاخسانہ ہو؟

"اسلام انسانیت کا دشمن ہے" | جنوبی عرب کو انگریزوں سے آزاد ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں گزرے ہیں مگر وہاں بھی یکایک اسلام کے خلاف طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ ۱۹۷۰ء کا سورج طلوع ہوتے ہی وہاں کی حکمران جماعت قومی محاذ (الجبھۃ القومیۃ) نے عدن کے علماء اور اسلام پسند عناصر کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی ہے۔ عدن کے نامور عالمِ دین شیخ محمد سالم بیحانی اور متعدد افراد کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ کسی پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اُس کا تعلق اخوان المسلمون سے ہے اور کسی کو سعودی عرب کا ایجنٹ کہا جا رہا ہے۔ اسلامی مراکز بند کر دیئے گئے ہیں اور اسلامی لٹریچر ضبط کیا جا رہا ہے۔ عدن کے قومی محاذ کا ایک نشریہ اس پس منظر کی غمازی کرتا ہے۔ اس نشریہ میں علمائے اسلام اور اسلام کی حمایت میں آواز اٹھانے والوں کو خطاب کر کے کہا گیا ہے:

"اے انسانیت کے دشمنو! اسلام کی حمایت میں تمہارے گلے پھٹ رہے ہیں۔ یہ اسلام جو انسانیت کا دشمن ہے بوسیدہ ہو چکا ہے اور داستانِ پارینہ بن چکا ہے۔ تمہارا یہ شعور، عمل کمیونزم اور مارکسزم اور لینن ازم کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔"

(ہفت روزہ ندا الجنوب، شمارہ ۱۲ فروری ۱۹۷۰ء)

چکی کے دو پاٹوں میں | عراق اور سوڈان میں بھی "اسلام کی سرکوبی" کی مہم یکایک تند و تیز ہو چکی ہے اور نقشہ جنگ یہ نظر آ رہا ہے کہ ایک طرف اسرائیل عرب آبادی کو تباہ کر رہا ہے اور اسلام کے مقدس مقامات و آثار کو منہدم کر رہا ہے اور دوسری طرف عرب ممالک کی بعض حکومتیں خود اپنے ہی بھائیوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہیں اور عرب مفکرین کا ایک مخصوص گروہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کی دھجیاں اُڑا رہا ہے۔ عالمی طاقتیں بھی عرب عوام کو چکی کے دو پاٹوں میں پیس رہی ہیں۔ ایک طرف امریکہ ہے جو پوری ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اسرائیل کو مسلسل اسلحہ سپلائی کر رہا ہے اور یہودیوں کی ننگِ انسانیت قوم کی پیٹھ ٹھونک رہا ہے۔ دوسری طرف روس عربوں کی بے بسی سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور مؤثر اسلحہ کی فراہمی سے زیادہ اپنے مفادات کو سمیٹ رہا ہے اور عرب ملکوں کو نظریات کی تباہ کن جنگ میں جھونک رہا ہے۔ ۱۹۷۰ء کا آغاز ہوتے ہی یہ تمام تحریکیں اسی طرح سرگرم عمل ہو گئی ہیں جس طرح جون ۱۹۶۷ء سے پہلے یہ سرگرم عمل تھیں۔ فتح کے قائد یاسر عرفات نے اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر اپنے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ "۱۹۷۰ء کا سال عربوں کے لیے غیر معمولی آزمائش کا سال بنتا نظر آ رہا ہے"۔ یاسر عرفات کا اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ ۱۹۷۰ء میں پھر اسرائیل بھرپور حملہ کرنے والا ہے اور یہ تمام خلفشار اسی حملے کی تیاری ہے۔

ترکی کے دونمہ فرقہ کے بارے میں ایک یہودی لیڈر کے انکشافات | مقبوضہ فلسطین کے سابق صدر اسحاق بن زفی نے دونمہ پر ایک مفصل کتاب عبرانی زبان میں تالیف کی ہے۔ اسحاق عبادی نامی ایک یہودی نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کا پہلا انگریزی ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں امریکہ کے جیوش پبلشنگ ہاؤس کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ ۱۹۶۱ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا ہے۔ اسحاق بن زفی لکھتا ہے:

> "یہاں ایسے متعدد مذہبی گروہ موجود ہیں جو اب تک اپنے آپ کو بنی اسرائیل کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ گروہ یہودی مذہب کی عبادات قائم کرتے ہیں، گو ان کے عبادت کے طریقے عام یہودیوں سے مختلف ہیں۔ انہی گروہوں میں سے ایک سامریوں کا فرقہ ہے جو علی الاعلان دینِ موسیٰ کا پیرو کہلاتا ہے۔ دوسرا اہم گروہ دونمہ کا ہے جو بظاہر مسلمان ہے مگر وہ چوری

چھپے یہودی شعائر ادا کرتا ہے“۔
دونمہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اسحاق بن زنی لکھتا ہے:

”دونمہ کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک ظاہری حصہ اور دوسرا باطنی حصہ۔ ظاہری حصہ مسلمانوں کو دکھانے کے لیے ہے اور باطنی حصہ ظاہر سے بالکل مختلف ہے۔ ان لوگوں نے اپنی ایک مستقل جمہوریہ قائم کر رکھی تھی۔ ان لوگوں نے ایک خفیہ اسکیم کے تحت یہ طے کیا کہ وہ اپنے اصل نظریات کو محفوظ رکھیں گے اور اپنی عبادات کو سرانجام دیتے رہیں گے مگر یہ سب کچھ انہیں انتہائی رازداری کے ساتھ کرنا ہوگا“۔

ابن زنی دونمہ کا منافقانہ کردار بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”ترکی زبان میں دونمہ کے معنی ہیں منافق۔ مگر دونمہ فرقے کے لوگ اپنے لیے مومن کا لقب استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے تھے۔ بلکہ ان کے متعدد افراد حجاج کے قافلوں کے ساتھ مکہ اور مدینہ بھی گئے۔ یہ سب دکھاوے کے لیے وہ کرتے تھے۔ مگر اندرونی طور پر وہ اپنی مذہبی کتابوں کی تلاوت کرتے تھے اور یہودی تہواروں کو اہتمام سے مناتے تھے۔ دونمہ کی زیادہ تر آبادی سلانیک (سالونیکا) میں تھی جو پہلے عثمانی خلافت کے تحت تھا اور اب یہ یونان میں شامل ہے۔ سلانیک میں یہ لوگ یہودی اساتذہ سے عبرانی زبان کی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ معاہدہ لوزان (جو ۲ جولائی ۱۹۲۳ء کو عمل میں آیا) کے بعد یہ لوگ سلانیک سے ہجرت کر کے اناطولیہ میں آگئے اور ترکی کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا نے جو ”ثقافتی انقلاب“ برپا کیا تھا اُس کے اندر دونمہ کا گہرا ہاتھ تھا۔ چنانچہ اس ثقافتی انقلاب کے نتیجے میں عربی رسم الخط کو لاطینی رسم الخط سے تبدیل کر دیا گیا۔ مگر یہ تبدیلی طاقت کے بل پر بروئے کار لائی گئی اور مصطفیٰ کمال کی اُن بنیادی اصلاحات کا ایک جزء تھی جو سیاسی اور معاشرتی زندگی کے میدان میں اُس نے سرانجام دی تھیں۔ اس ثقافتی انقلاب میں دونمہ کے تعلیم یافتہ طبقہ کے

نمایاں اور سرگرم زعماء نے حصہ لیا۔"

بن زفی مزید انکشاف کرتا ہے:

"میں نے ۱۹۴۳ء میں ازمیر (سمرنا) کا دورہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ ترکی کی رائے عامہ بڑے اہتمام کے ساتھ دونمہ کی سرگرمیوں اور مختلف میدانوں میں ان کی کامیابیوں کو تاڑ رہی تھی۔ بلاشبہ دونمہ کو اقتصادی اور تجارتی اور صنعتی اور سرکاری انتظامیہ میں وسیع نفوذ حاصل ہے۔ سیاسی میدان میں دونمہ کے بعض لوگوں کو بہت اونچی پوزیشن حاصل تھی۔ دونمہ کے نمایاں سیاسی لیڈروں میں ایک محمد جاوید بک تھا جو ینگ ٹرکش پارٹی کا صفِ اول کا لیڈر تھا، اور جو انجمن اتحاد و ترقی کے دورِ حکومت میں وزیر اعظم بھی رہ چکا ہے۔ اسی طرح نزہت فائق بھی اسی گروہ کا رکن رکین تھا۔ اور یہ بھی وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر رہ چکا ہے۔ مصطفیٰ عارف وزیر داخلہ اور مصلح عادل نائب وزیر تعلیم کا شمار بھی انہی میں ہوتا ہے۔ ترکی کے ایوان نمائندگان میں ان لوگوں کی کثیر تعداد تھی۔ یونیورسٹیوں میں ان کے کئی پروفیسر تھے۔ کئی نامور ارباب تصنیف و تالیف اور شعراء اور وکلاء اس جماعت کے سرگرم افراد تھے۔"

ان تفصیلات کو بیان کرنے کے بعد بن زفی یہ بھی واضح کر دیتا ہے:

"جدید ترکی مکمل طور پر اسلام سے الگ ہو جانے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اب میری حیرت کی انتہا نہیں ہے کہ ترک عوام دونمہ کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور ان کے اسلام پر عدمِ اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ درحقیقت دونمہ کا وہ غلاپن ہے کیونکہ وہ حقیقت میں کچھ ہیں اور ظاہر میں کچھ۔"

دونمہ کے مستقبل کے بارے میں اسحاق بن زفی کا خیال ہے:

"دونمہ کے مستقبل کے بارے میں کوئی قیاس آرائی کرنا مشکل ہے۔ مگر میرا اندازہ ہے کہ دونمہ اپنے یہودی عقیدہ پر جمے رہیں گے۔ ترکی کی فضا غیر مستقر ہے اور کسی وقت بھی ہلچل برپا ہو

سکتی ہے۔ اب ترکی کو نسلی اور سیاسی حیثیت سے متحد کرنے کی جو تند و تیز تحریک چل رہی ہے اُس کے اندر دونمہ کا مستقبل غیر واضح ہے۔ یہودی تاریخ کے مطالعہ کی بنا پر میں یہ کہوں گا کہ وہ دن آنے والا ہے کہ دونمہ کو دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہوگا: یا تو وہ مکمل طور پر ترکی معاشرے میں مدغم ہو جائیں، اور یا اپنے قومی وطن کی طرف ہجرت کر آئیں اور اپنے یہودی بھائیوں سے مل جائیں۔"

دونمہ کے بارے میں اب تک جو کچھ معلومات ہمیں ملتی رہی ہیں اُن کا ماخذ ترک یا عرب مسلمان ہیں۔ لیکن اب ایک یہودی کی زبان سے ان معلومات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترکی کے معاشرے کو خراب کرنے میں دونمہ نے نہایت خطرناک کردار ادا کیا ہے۔ مگر اب ترک دونمہ سے پوری طرح باخبر ہو چکے ہیں۔

موریطانیہ میں اسلامی قانون کا مطالبہ | موریطانیہ میں تعلیم یافتہ حلقوں کی طرف سے وسیع پیمانے پر حکومت سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں حکومت اسلامی قانون نافذ کرے۔ جہاں تک عائلی معاملات کا تعلق ہے ان میں پہلے ہی اسلامی فقہ کے احکام نافذ کیے جاتے ہیں، لیکن اب دیوانی، فوجداری اور تجارت و سرمایہ کاری سے متعلق تمام معاملات میں بھی اسلامی قانون کی تنفیذ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

موریطانیہ ایک اسلامی ملک ہے۔ افریقہ کے شمال مغرب میں واقع ہے پہلے یہ فرانس کے ماتحت تھا۔ سنہ میں آزاد ہوا۔ اس علاقے میں اسلام چوتھی صدی ہجری میں قیروان کے راستے سے پہنچا تھا۔ موجودہ آبادی آٹھ لاکھ کے قریب ہے جو تمام تر مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ملک کا رقبہ بہت وسیع ہے اور سوا چار لاکھ میل کے لگ بھگ ہے جس میں سے بیشتر صحرا ہے۔ موریطانیہ کی سرکاری زبان عربی ہے۔ ملک کے اندر مساجد بکثرت موجود ہیں۔ لوگ بالعموم نماز کے پابند ہیں اور اسلامی روایات سے وابستہ ہیں۔ دینی مدرسوں کی خاصی تعداد موجود ہے۔ حفظِ قرآن کا بھی بڑا چرچا ہے۔ موریطانیہ وہی علاقہ ہے جسے پہلے شنقیط کہا جاتا تھا۔

(بقیہ اشارات)

کو فروغ حاصل ہوتا۔ جبر و تشدد، غنڈہ گردی، زبردست آزادی اور قتل و غارت تو اس تحریک کے طبعی خواص ہیں اور اس تحریک سے کسی خیر اور بھلائی کی توقع رکھنا اسی طرح کی سادگی بلکہ حماقت ہے جس طرح اکاس بیل کے پروان چڑھنے سے آدمی میٹھے پھلوں کی آس لگا بیٹھے۔

پاکستان میں بھی اشتراکیت کے علمبرداروں نے انقلاب کے لیے وہی طریق کار اختیار کر رکھا ہے جو روس میں کیا گیا تھا۔ پاکستان بننے کے ساتھ ہی ان لوگوں نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور مختلف گروہوں کی صورت میں مختلف میدانوں میں گھس کر کام کرنا شروع کیا۔ ایک گروہ نے ادب ثقافت اور روشن خیالی کے نام پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ دوسرے طبقے نے ریڈیو اور اخبارات پر قبضہ کر کے وہاں سے ملحدانہ خیالات کا پرچار کیا۔ تیسرے طبقے نے مزدوروں کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے جدوجہد کی۔ چوتھے نے انتظامیہ کے افسروں کو بگاڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ پانچویں نے زرداروں اور سرمایہ داروں کی حمایت حاصل کر کے قوت و طاقت فراہم کی۔ اس کے علاوہ ایک طبقے نے تجدد پسندوں کے خیالات کو پوری قوت سے ملک میں اچھالا اور ان کی عظمت کا جھوٹا نقش قائم کرنے میں پورا زور صرف کیا تاکہ عوام کی توجہ دین کے حقیقی خادموں سے ہٹ کر ان مغرب پسندوں کی طرف مبذول ہو جائے۔ ایک طرف دین کے خلاف یہ ساری کارروائیاں کی جاتی رہیں۔ مگر دوسری طرف حکومت کو برابر یہ باور کرایا جاتا رہا کہ اس ملک کے سب سے بڑے دشمن اور بدخواہ وہ لوگ ہیں جو یہاں اسلامی نظام کے قیام پر اصرار کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں جماعت اسلامی کو خاص طور پر بدنام کیا گیا اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی کہ عوام میں اسے پوری طرح رسوا کر دیا جائے تاکہ لوگ اس کی طرف بالکل متوجہ ہونے نہ پائیں اور اسے ایک گالی سمجھ کر اس سے احتراز کریں۔ اس کام میں علماء کا ایک گروہ بھی بغض و عناد کی آگ دلوں میں لیے ہوئے ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور دس گیارہ سال تک ایوبی آمریت بھی اپنا پورا زور جماعت کے خلاف صرف کرتی رہی۔ اس فضا میں اشتراکیوں کو کام کرنے اور اپنے نظریات پھیلانے کے لیے بڑا کھلا میدان ہاتھ لگا اور

انہوں نے ہر طبقے میں سے کچھ نہ کچھ لوگ اپنے ساتھ شامل کر کے اپنے آپ کو منظم کر لیا۔
پھر ملک میں بڑھتی ہوئی بیروزگاری، غربت و افلاس اور حکومتوں کے آمرانہ رجحانات نے انہیں اچھی طرح تقویت بہم پہنچائی ہے۔ اب فلاکت زدہ اور بدحال طبقوں کو اسلامی اشتراکیت کے نعرے سے دھوکا دیا جا رہا ہے اور کھاتے پیتے گھرانوں کے بگڑے ہوئے نوجوانوں کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ لگا لیا جاتا ہے کہ ملّا کی حکومت اگر قائم ہو گئی تو تمہاری عیش پرستیوں کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

اس ملک میں اشتراکیت جس طریق سے اپنا تسلط قائم کر رہی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔
گزشتہ دس سالوں میں اس نے سب سے پہلے ایوب کے ہاتھ مضبوط کیے اور عوام کو آمریت کا خوگر بنانے کی کوشش کی۔ مگر جب عوام نے جمہوریت کی بحالی کی تحریک شروع کی تو کچھ اشتراکی محض اس لیے اس کے ساتھ شامل ہو گئے کہ شاید اس افراتفری میں انہیں اپنا تسلط قائم کرنے کا موقع ہاتھ لگ جائے۔ مگر جب انہوں نے اپنے عزائم کو ناکام ہوتے دیکھا تو ملک میں ماردھاڑ کا طوفان برپا کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں دوبارہ مارشل لا نافذ ہو گیا۔ اب پھر حکومت نے اکتوبر میں عام انتخابات کا اعلان کر کے عوام کے اندر امیدوں کے چراغ روشن کیے ہیں اور وہ توقع کرنے لگے ہیں کہ ہمارے اس ملک کی پٹڑی سے اتری ہوئی گاڑی شاید دوبارہ پٹڑی پر چڑھ جائے اور وہ جمہوریت کے راستے اس منزل تک پہنچ جائے جس کے لیے یہ ملک معرض وجود میں آیا ہے۔ لیکن لینن کے پرستاروں نے اپنے رہنما کی پیروی میں ہنگاموں کا وسیع سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اپنی قوت کے مظاہرے کے لیے ہڑتالوں کو اجتماعی زندگی کا معمول بنایا جا رہا ہے تاکہ نظام معیشت معطل ہو کر رہ جائے۔ جوں جوں انتخابات قریب آ رہے ہیں یہ سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ مختلف اجتماعات اور کانفرنسوں میں جلاؤ گھیراؤ اور متشددانہ کارروائیوں کی دھمکیوں سے عوام کو مرعوب کیا جاتا ہے تاکہ وہ ان کی قوت کے سامنے سر جھکا دیں۔ روٹی کے مسئلے کو پوری شدت سے ابھارا جا رہا ہے مگر اسے حل کرنے کے لیے سوائے تشدد کے اور کسی معقول ذریعہ کی نشاندہی نہیں کی جاتی۔ کبھی روس کے بدنصیب کسانوں کی طرح یہاں کے غریب کسانوں کو یہ مژدہ سنایا جاتا ہے کہ انقلاب آتے ہی تمہیں زمینوں کا مالک بنا دیا جائے گا۔ کبھی مزدوروں کو یہ جانفزا خبر سنائی جاتی ہے کہ وہ عنقریب فیکٹریوں اور کارخانوں کے مالک ہوں

گے۔ الغرض مختلف طریقوں سے عوام کو اشتراکیت کا ہمنوا بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور وہ بے چارے بھولے پن میں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اشتراکیت کے آتے ہی ان کی قسمت بدل جائے گی۔ افسوس کہ وہ اس وحشتناک انجام سے بے خبر ہیں۔ جو روس میں فریب خوردہ کسانوں اور مزدوروں اور دوسرے مفلوک الحال طبقوں کا ہوا۔

ان لوگوں کے عزائم اب کوئی ڈھکے چھپے نہیں رہے۔ یہ لوگ بالکل کھلے طور پر یہاں اشتراکیت کو مسلط کرنے کا عزم ظاہر کر رہے ہیں۔ ووٹ سے پہلے روٹی کا نعرہ اس حقیقت کی نہایت واضح طور پر غمازی کر رہا ہے کہ وہ کس انداز سے روٹی کا مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے یہاں ہنگامہ آرائی، غنڈہ گردی اور تشدد کے ذریعے ملک پر قابض ہو کر اشتراکی آمریت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بعد روٹی کے مسئلے کو اُس انداز سے حل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس انداز سے اشتراکیت کے اندر اسے حل کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس ملک میں بھی روس کی طرح عوام کے خون سے ہولی کھیلنے کا ناپاک عزم کر چکے ہیں۔ جس نہج پر یہ تحریک آگے بڑھائی جا رہی ہے یہی وہ نہج ہے جس پر اسے روس میں آگے بڑھایا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ انتخابات لڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں، کچھ عوام کو دھمکیاں دے کر انہیں خوفزدہ کر رہے ہیں، کچھ ہڑتالوں کے ذریعے ملک کے پورے نظام معیشت کو تہ و بالا کر رہے ہیں اور حکومت اور عوام پر یہ تاثر قائم کر رہے ہیں کہ ان کے ایک اشارے پر ملک کی پوری اجتماعی زندگی میں تعطل پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ سارے طبقے الگ الگ گروہوں کی صورت میں سرگرم عمل ہیں مگر راستہ اور منزل سب کی ایک ہے۔ خوف اور دہشت کے اس ماحول میں اگر ان لوگوں کو کام کرنے کا موقع دیا گیا تو یہ من مانی کارروائیاں کرنے میں بالکل آزاد ہوں گے اور کوئی ایسا طوفان اٹھا دیں گے جس سے اوّل تو انتخابات ہی منعقد نہ کیے جا سکیں یا انتخابات ہو بھی جائیں تو اسمبلی اس حسرتناک انجام سے دوچار ہو جس سے لینن کے ہاتھوں روس کی دستور ساز اسمبلی ایک نہایت ہی فیصلہ کن مرحلے پر دوچار ہوئی تھی۔ ان حالات میں جو لوگ بھی اللہ کے دین سے محبت رکھتے ہیں اور اس ملک کے خیر خواہ ہیں انہیں اس طوفان کو روکنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے اور مالک الملک سے دُعا بھی کرنی چاہیئے کہ وہ اس ملک کے باشندوں پر رحم فرما کر انہیں اس

عذاب سے بچائے اور انہیں اس بات کی توفیق دے کہ وہ اسلامی نظام کی برکات سے پوری طرح مستفید ہو سکیں۔

خریدارانِ ترجمان سے

ضروری التماس

ترجمان القرآن کے انفرادی خریداروں اور ایجنٹ حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ کچھ عرصے سے کاغذ بے حد گراں ہو گیا ہے اور پوسٹیج وغیرہ کے اضافے کی بنا پر دیگر اخراجات بھی خاصے بڑھ گئے ہیں، اس لیے ہمیں مجبوراً پرچے کی قیمت میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔

آئندہ ماہ جون ۷۰ء سے

ترجمان القرآن کے ایک پرچے کی قیمت ۸۰ پیسے ہوگی،

اور سالانہ چندہ آٹھ روپے ۸/۰۰ ہوگا۔

توقع ہے کہ ہمارے قارئین ہمارے ساتھ تعاون کریں گے اور ان ناگزیر وجوہ کی بنا پر جو بار ان پر ڈالا جا رہا ہے، اُسے گوارا فرمائیں گے۔

ناظمِ ترجمان القرآن

● زندگی کے مختلف مراحل پر اسلام کی رہنمائی
● اسلام کے تقاضے اور ان پر زندگی کی استواری
● عملی زندگی پر اسلام کے اثرات اور نتائج سمجھنے کیلئے

مولانا صدرالدین اِصلاحی کی بلند پایہ تالیفات

	اعلیٰ ایڈیشن	سستا ایڈیشن
اِسلام ایک نظر میں	۶-۷۵ روپے	۴-۲۵ روپے
فریضۂ اقامتِ دین	۲-۵۰ ؍	
اِسلام اور اجتماعیت	۲-۷۵ ؍	
اساسِ دین کی تعمیر	۶-۲۵ ؍	۴-۰۰ ؍
حقیقتِ نفاق	۲-۷۵ ؍	۲-۰۰ ؍
اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ	۴-۴۰ روپے	۲-۴۰ ؍

(افاداتِ شاہ ولی اللہؒ)

مطالعہ فرمایئے

اِسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

۱۶، بیت المکرم (پہلی منزل) ڈھاکہ

سوشلزم کا صحیح روپ

اور مسلمانوں سے اس کی کشمکش

تفصیلی طور پر سمجھنے کیلئے

سُرخ اندھیروں میں

مرتبہ خلیل احمد حامدی

روس اور چین میں مسلمانوں پر اشتراکی مظالم کی خونچکاں داستان

اعلیٰ ایڈیشن ۲-۷۵ روپے   سستا ایڈیشن ۱-۷۵ روپیہ

اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

مرتبہ خلیل احمد حامدی

فلسطین کی تقسیم میں کمیونسٹوں کا گٹھ جوڑ

عرب سوشلسٹ دوستی کی حقیقت

اقوام متحدہ میں روس کا رویہ

حقائق کی پردہ کشائی پر ایک مستند کتاب

قیمت ۶۵ پیسے

عالم اسلام کے افکار و مسائل

مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک میں اسلام کو مٹانے کے لیے اشتراکی چالوں اور حربوں کی مفصل رُوداد۔

اعلیٰ ایڈیشن ۷/۰۰ روپے   سستا ایڈیشن ۵/۰۰ روپے

اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت

ایک تقابلی مطالعہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

تینوں تحریکوں کا اصولی فرق اور بنیادی اختلافات پر ایک جامع اور مختصر کتاب

قیمت ——— ۵۰ پیسے

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳- ای، شاہ عالم مارکیٹ - لاہور

۱۶- بیت المکرم (پہلی منزل) ڈھاکہ